تصحیح واضافہ شدہ ایڈیشن

الفوز الکبیر پڑھنے والوں کے لیے چشم کشا اور ترجمۂ قرآن وجلالین کے طلبہ کے لیے انمول تحفہ

المسمیٰ بہ

اِجرائے اُصول تفسیر

- اصولِ تفسیر کے امور ثلاثہ، اقسامِ تفسیر، مناہج تفسیر، مآخذِ تفسیر
- اسبابِ اختلاف، مفسرین کے درمیان مختلف فیہ جگہیں
- سببِ نزول: سببِ عام، سببِ خاص اور نَزَلت فی کذا کا استعمال
- نسخ: آیاتِ منسوخہ، اقسامِ نسخ، صورِ نسخ، ناقابلِ نسخ آیات
- غریب القرآن: سلف کے چھ طرق تفسیر، تفسیر واستنباط میں فرق
- اختلافِ مفسرین: اختلافِ تنوع کی صورتیں؛ علم وجوہ ونظائر
- عمل تطبیق: آیات کے درمیان تعارض کا واہمہ، دفعِ تعارض کی صورتیں، توجیہ
- اسبابِ صعوبت، ایجاز، اطناب اور ابدال کی صورِ اربعہ
- محکم ومتشابہ، سلف وخلف کی تاویل، متشابہاتِ نسبیہ کی انواع
- فواصل قرآن، انواع فواصل، احلال وایثار اور فنِّ مناسبت

مرتب

ابوالقاسم محمد الیاس بن عبداللہ ہمت نگری

مدرس مدرسہ دعوۃ الایمان مانک پور ٹکولی، نوساری، گجرات (الہند)

ناشر

ادارۃ الصدیق، ڈابھیل، گجرات

تفصیلات

اسم کتاب:........................: اجرائے اصول تفسیر

مؤلف:..................:ابوالقاسم محمد الیاس گڈھوی (ہمت نگری)

فون:9825914758

صفحات:...............................۱۴۲

ناشر:........................ادارۃ الصدیق، ڈابھیل، گجرات

PUBLISHER

IDARATUSSIDDIQ

DABHEL SIMLAK-396415

DIST. NAVSARI(GUJARAT)

M;99133,19190/99048,86188

EMAIL:idaratussiddiq@gmail.com

پیش لفظ

قرآنِ مجید خدا تعالیٰ کی وہ آخری کتابِ ہدایت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتاری گئی، خالقِ ارض وسما نے تا قیامت تمام لوگوں کے لیے اسی کتابِ مبین کو دستورِ حیات بنایا، اور خواص وعوام کے لیے اسی کتاب کو قانونِ ہدایت ٹھہرایا۔

مزید اس امت پر باری تعالیٰ کا احسانِ عظیم یہ ہوا کہ: باری تعالیٰ نے پیغمبر -علیہ السلام- کے بعد اُمّتِ محمدیہ- جو بحیثیتِ مجموعی تمام اُمّتوں سے بہتر و برتر ہے- کو اس کتاب کا وارث بنایا، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾ [الفاطر: ۳۲]؛ اور دوسری جگہ اس کتاب کو امّتِ محمدیہ -علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم- کے مجد وشرف کی ایک بڑی دستاویز گردانا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ﴾ [الأنبياء: ۱۰]، أيْ: فيْه شَرفُكم.

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید (کی تعلیمات) سے خوش ہو جاؤ! اِس لیے کہ: یہ ایک اَیسی رسّی ہے جس کا ایک کنارا اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے تو دوسرا سِرا تمھارے ہاتھوں میں دے دیا ہے؛ اس کلام کو مضبوطی سے تھامے رکھو؛ کیوں کہ تم لوگ قرآنِ مجید کے مقتضیات پر عمل کرنے کی وجہ سے نہ کبھی ہلاک ہوگے اور نہ ہی کبھی گمراہ ہوگے۔ (طبرانی، بیہقی)

یہی وجہ ہے کہ: سلف وخلف نے قرآنِ مجید کو اور اس کی تعلیمات کو غیر معمولی

اَہمیّت دی اور اس کو سمجھنے اور سِکھانے میں بڑی دل چسپی دِکھائی۔

دراصل کتاب اللہ یہ ایک گہرا سمُندر رہے، اِس کو کماحقہٗ سمجھنا ایک دقیق وغامض اَمر ہے، اس کے معانی تک رَسائی اُسے نصیب ہوتی ہے جو علومِ قرآن میں متبحر ہو اور معانئ قرآن میں تدبر کرنے والا ہو۔

حسن بصری فرماتے ہیں: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندے آیاتِ قرآنیہ کے مَقاصِد اور اَسبابِ نزول کو سیکھیں؛ نیز باری تعالیٰ کی مراد کو سمجھیں''؛ لیکن باری تعالیٰ کی مراد کو سمجھنے کے لیے علومِ تفسیر کا جاننا نہایت ضروری ہے۔علومِ تفسیر مندرجہ ذیل ہیں:

عربی اَلفاظ کو جاننا، اسی طرح غریب الفاظ، علمِ نحو وصَرف، علمِ قراءات کو جاننا؛ نیز علمِ توحید، علمِ فقہ، اُصولِ فقہ اور علمِ معانی وبیان کو جاننا۔

نیز ہر فن کے حاصل کرنے میں اَہم اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ آدمی ہر فن کو اُس فن کے اُصولوں یعنی: قوانین مسلمہ کے ذریعے سیکھے، تاکہ اس کے علم کی تعمیر بڑی مضبوط بنیادوں اور ثابت وقائم ستونوں پر ہو؛ ہمارے علمائے سابقین نے کیا ہی عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے: مَنْ حُرِمَ الأُصُوْلَ حُرِمَ الوُصُوْل، جو آدمی اُصولِ فن سے محروم رہا وہ مقصد تک پہونچنے سے بھی محروم رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ: سلف سے اصولِ تفسیر پڑھنے پڑھانے کا اہتمام چلا آرہا ہے؛ اس فن میں کتابیں تو بہ کثرت ہیں؛ لیکن وہ یا تو جامع ہونے کی صورت میں نہایت تفصیل سے لکھی گئی ہیں، یا پھر اختصار کے ساتھ بعضے مضامین پر ہی مشتمل

ہیں۔

اس وجہ سے طلبہ برادری کے لیے ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ: کوئی ایسی کتاب ہونی چاہیے جو نہایت اختصار کے ساتھ اس فن کے اہم مضامین پر مشتمل ہو، اسی غرض سے ''رَوْح القدیر فی اُصول التفسیر'' لکھی گئی، جو اُصولِ تفسیر کے ساتھ ساتھ قواعدِ تفسیر پر بھی مشتمل ہے؛ لیکن اس کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے بعض بڑوں نے مشورہ دیا کہ: اُنھیں مضامین میں سے اہم مضامین کو اردو میں لایا جائے، تاکہ طلبہ بہ آسانی اس سے فائدہ اٹھا سکیں؛ چنانچہ ''رَوح القدیر'' کے مضامین میں سے چیدہ چیدہ اور اہم مضامین کا خلاصہ اس کتاب میں شامل کیا گیا۔

تدبرِ قرآن

ایک ہی آیت کی بار بار تلاوت کرنا دِل پر جو نقش چھوڑے اُسے ''تدبُّر'' کہتے ہیں اور یہی چیز تفکُّر کی اِبتدا ہے جس کے نتیجے میں حقیقت تک رَسائی ہوجاتی ہے اور تالی وسامع کا دل ودماغ اس سے متأثر ہوتا ہے؛ کیوں کہ جب کسی آیت کو پہلے پہل پڑھا جاتا ہے تو اس کا مختصر مطلب یا دُھندلہ سا تصور لوحِ دماغ میں آتا ہے، پھر جب دوبارہ اُسی آیت کو پڑھا جائے گا تو آیت کا مزید مطلب سمجھ میں آئے گا اور جب تیسری بار اس کو پڑھا جائے گا تو مزید علم وحکمت کے گوشے کھلیں گے؛ کیوں کہ یہ کلام نہایت مختصر ہے اور اس میں چھپے ہوئے معانی بے شمار ہیں۔

خلاصۂ کلام: جب بندہ اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کی مراد کو سمجھنے کے لیے کلامِ الٰہی میں غور وفکر کرے گا اور اسی میں دل ودماغ کو مشغول کرے گا تو وہ کلامِ الٰہی

کے پوشیدہ رموز و حِکم کا استخراج و استنباط ضرور کرلے گا، باری تعالیٰ فرماتے ہیں:
﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ إِلَيْكَ لِيَدَّبَّرُوْآ اٰيَاتِهِ وَلِيَذَّكَّرَ اُوْلُوْا الاَلْبَاب﴾ [ص: ۲۹]، یہ وہ کتاب ہے جس کے اَلفاظ، حروف، نقوش اور معانی و مضامین ہر چیز میں برکت ہے، اور یہ کتاب اسی غرض سے اتاری گئی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور عقل رکھنے والے اس کی نصیحتوں سے منتفع ہوں[۱]۔

علّامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: شاید ''تدبُّر'' سے قوتِ علمیّہ کی اور ''تذکُّر'' سے قوت عملیّہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہو''۔

تدبر کی بابت ہمارا تغافل

میرے علمی بھائیو! اب تو ہمارا حال یہ ہوچکا ہے کہ: ہم نے مسائلِ نحو تو پڑھ لیے، لغت و اِشتقاق کے قواعد سے بھی آشنا ہوگئے، علمِ معانی و علمِ بیان کے اُصول، نیز علمِ بدیع کے محسّناتِ لفظیہ و معنویہ سے بھی خوب لطف اندوز ہوچکے، علم توحید اور علم اُصول کو بھی خوب سمجھا؛ لیکن ہم لوگ شُعراء و اُدَباء کے قافیہ بند منظوم کلام اور عمدہ و مرتب منثور کلام ہی میں اُلجھ کر رہ گئے!

---

(۱) وجوہِ مخاطبات کے ضمن میں علماء نے لکھا ہے: بعض مرتبہ باری تعالیٰ اس اُمت کی شرافت کو بڑھاتے ہوئے بلاواسطہ لفظِ ''قل'' سے خطاب فرماتے ہیں؛ تاکہ اس امت کو باری تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو؛ اسی طرح حضرت ابنِ مسعودؓ سے کسی نے نصیحت کرنے کی درخواست کی، تو آپؓ نے فرمایا: ''جب تو پروردگارِ عالم کو ﴿يٰأَيُّها الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ فرماتے ہوئے سنے تو ایسے مواقع پر اس خطاب کو مکمل دھیان اور توجہ سے سن! کیوں کہ تجھے اس وقت یا تو کوئی خیر دی جائے گی، یا کسی شر سے بچایا جائے گا۔ (برہان، الزیادۃ والاحسان)

آہ! ہم نے تو ساری محنتوں، کوششوں اور توانائیوں کو اَقوالِ ناظمین وناثرین کی نذر کرلیا، اور مقصودِ اصلی کو بھُلا بیٹھے! محمد بشیر اِبراہیمی نے کیا ہی عجیب بات ارشاد فرمائی کہ: اس امت کے اوّلین اور آخرین کے درمیان میں بہت بڑا فرق ''تدبُّرِ قرآن'' اور ''اِتباعِ قرآن'' سے ہوا؛ چنانچہ ہم لوگ عدمِ تدبُّر کی نحوست کی وجہ سے متاعِ علم سے محروم ہو گئے اور عدمِ اِتباع کی وجہ سے عمل کی حقیقت سے محروم رہے!

اخیر میں باری تعالیٰ کے دربارِ عالی میں دست بہ دعا ہوں کہ: وہ ذاتِ عالی ہمیں اپنے عظیم کلام میں تعمُّق اور تدبُّر کی بیش بہا دولتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمائیں! اور ہم تمام کو حسنِ ادا کے زیور سے آراستہ، مضامین الٰہی سے مرعوب اور اعجازِ قرآنی سے سرشار ہوکر کلامِ الٰہی کی تلاوت کرنا، سمجھنا اور تدبر کرنا آسان فرمادے۔

اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنْ
وَأَنْبِتْهَا نَبَاتًا حَسَنًا

بندہ
ابوالقاسم محمد اِلیاس ہمتنگری
۲۷ شب؛ ماہِ رمضان: ۱۴۴۰

قرآنِ مجید میں تدبُّر کیسے کریں؟

۱) اس سورت کا اِجمالی موضوع کیا ہے اور اس سورت کے مقاصد کیا ہیں؟

۲) اس آیت کی اِجمالی تفسیر (ترجمہ ومختصر مطلب) کیا ہے؟

۳) نزولِ قرآن کے اَسبابِ عامّہ (دماغ سے عقائد باطلہ کو مٹادینا، بگڑے ہوئے اعمال کو درست کرنا اور نفوسِ بشریہ کو مہذَّب وشائستہ بنانا) میں سے کونسا سبب ہے؟

۴) اس آیت میں علمِ جدَل، علمِ احکام، علمِ تذکیر بآلاء اللہ، علمِ تذکیر بأیام اللہ اور علمِ تذکیر بالموت ومابعدہ میں سے کن کن کا ذکر ہے؟

۵) اگر یہ آیت اُن آیات میں سے ہے جس کا مخصوص شانِ نزول ہے اور آیت میں اس کی طرف تعریض بھی ہے تو حضرت شاہ صاحب کا ''فتح الخبیر'' میں ذکر کردہ شانِ نزول بیان کریں۔

۶) آیت میں مذکورہ اَلفاظ مفردہ کی لغوی وصرفی تحقیق کریں، نیز معنیٔ حقیقی ومعنیٔ مجازی کی تعیین کریں۔

۷) آیت کی ترکیبِ نحوی اور وجوہ اعراب بیان کیجیے۔

۸) بہ غرضِ اِفہام وتفہیم آیت میں محذوف ومقدر عبارت کو لفظوں میں ظاہر کریں، نیز تقدیم وتاخیر کو مناسب کرتے ہوئے آیت کا حاصلِ کلام ذکر کریں۔

۹) اَجزائے جملہ، جملہ اور مختلف جملوں سے متعلق علم معانی کے اَبوابِ ثمانیہ

کا اِجرا کریں۔

۱۰) مجازِ لغوی و عقلی کی تعیین، نیز مجازِ لغوی کی صورت میں مرسل واستعارہ اور مجاز مرکب مرسل واستعارۂ تمثیلیہ واضح کریں؟

۱۱) آیت میں اِیجازِ قِصَر یا اِیجاز حذف سے متعلق کونسی صنعت ہے؟

۱۲) کیا آیتِ مذکورہ اُن آیاتِ منسوخہ میں سے تو نہیں ہے جن کو حضرت شاہ صاحب نے ''الفوز الکبیر'' میں ذکر فرمایا ہے؟۔

بابِ اول

درمقدماتِ تفسیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۂ علم

قرآن: اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لفظاً ومعناً اُتارا ہوا وہ کلام ہے جس کی اِبتدا سورۂ فاتحہ سے اور اِختتام سورۂ ناس پر ہوا ہے①۔

وحی: اللہ تبارک وتعالیٰ کی بندے سے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ: اِلَّا وَحْيًا، اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ، اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا؛ فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ﴾② [الشوریٰ: ۵۱].

---

① قرآنِ مجید اور حدیث قدسی میں فرق یہ ہے کہ: قرآنِ مجید لفظاً ومعناً باری تعالیٰ کے دربارِ عالی سے اُترا ہے، پورا کا پورا متواتر ہے، اُسے نماز میں بہ غرض عبادت تلاوت کیا جاتا ہے، جب کہ: حدیث قدسی باری تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو معناً (معنیٰ کی صورت میں) اُترا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب فرماتے ہوئے "قَالَ اللّٰهُ" یا "يَقُوْلُ اللّٰهُ" کے ساتھ نقل کیا ہے؛ نیز یہ اَحادیثِ قدسیہ اَخبارِ آحاد کے قبیل سے ہیں اور اُن کو نماز میں قراءت کی جگہ پڑھنا دُرست نہیں۔ (مباحث فی علوم القرآن)

② ترجمہ: کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے باتیں کرے، مگر اشارہ سے، یا پردہ کے پیچھے سے، یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا پھر پہنچادے اس کے حکم سے جو وہ چاہے۔

اس آیت میں وحی کی تین صورتوں کو ذکر فرمایا ہے:

وحی کی صورتِ اُولیٰ: حق تعالیٰ نبی سے فرشتے کے واسطے سے اِس طور پر کلام فرمائے کہ فرشتہ متجسّد ہوکر سامنے نہ آئے؛ لیکن براہِ راست (بلا واسطۂ حواسِ ظاہرہ) نبی کے قلب پر نزول کرے اور قلب ہی سے فرشتے اور اس کی آواز کا اِدراک ہو، جیسے صلصلۃ الجرس میں ہوتا ہے جس کی تقطیعات کا یقینی ⇐

اُصولِ تفسیر: اُن قوانینِ کلّیہ کا جاننا ہے جن کے ذریعے قرآن مجید کی صحیح سمجھ تک رسائی حاصل ہو، اور راہِ حق سے ہٹے ہوئے گمراہ کُن طرُقِ تفسیر واضح ہو جائے۔

موضوع: اُصولِ تفسیر کا موضوع علمِ تفسیر ہے اس حیثیت سے کہ: اِس فن میں تفسیر کرنے کے اُصول وقواعد، فنِ تفسیر حاصل کرنے کے شرائط نیز تفسیر کرنے کے صحیح طریقوں اور مناہج کو واضح کیا جائے۔

غرض وغایت: تفسیر کے لیے قواعدِ صحیحہ، طُرُقِ سلیمہ اور مناہجِ سدیدہ کو طے کرنا اور مفسر کے شرائط وآداب وضع کر کے فنِ تفسیر کو بڑی اِحتیاط وتوجہ کے ساتھ محفوظ کر لینا۔

حکم: اُصولِ تفسیر کو جاننا فرض کفایہ ہے؛ اس پر اُمت کا اِجماع ہے۔

⊃ اِدراک حضراتِ اَنبیا اپنی مخصوص عطائی عقل (عقلِ مَوهُوب) کے ذریعے کرلیتے تھے، قَالَ تَعَالىٰ: ﴿اِلَّا وَحْيًا﴾.

صورتِ ثانیہ: حق تعالیٰ فرشتے کے واسطے کے بغیر نُورانی پردے کے پیچھے سے اِس طور پر کلام فرمائے کہ: نبی کے کان اِستماعِ کلام سے مستفیض ہوں مگر آنکھیں دَولتِ دِیدار سے متمتع نہ ہوسکیں؛ یہ صورت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''لیلۃ المعراج'' میں حاصل ہوئی تھی، قَالَ تَعَالىٰ: ﴿اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ﴾.

صورتِ ثالثہ: فرشتہ اپنی اَصلی صورت میں یا کسی اِنسان - مثلاً حضرت دحیۂ کلبی رضی اللہ عنہ - کی صورت میں متجسّد ہوکر نبی کے سامنے آجائے، قَالَ تَعَالىٰ: ﴿اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا﴾.

مقدمۂ علم وفن

فصلِ اول دراَقسامِ تفسیر

تفسیر تین طرح کی ہوتی ہے①: تفسیر بالروایۃ، تفسیر بالدرایہ اور تفسیر بالاشارہ۔

تفسیر بالروایہ (تفسیر بالماثور): ایک آیت کی تفسیر کسی دوسری آیت سے یاسنتِ رسول سے یا صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام کے اَیسے اَقوال سے کرنا جس میں اِجتہاد کی گنجائش نہ ہو②۔

تفسیر بالدرایہ (تفسیر بالرائے): کسی صحابی یا تابعی وغیرہ کی وہ تفسیر جو رائے

① تفسیر وتاویل میں فرق: حضراتِ متقدمین تفسیر وتاویل کو مترادف کہتے ہیں، جب کہ دوسرے حضرات ان دونوں میں فرق کرتے ہیں، ان کے نزدیک نص قرآنی کے الفاظ کو سمجھانا ''تفسیر'' ہے- جیسے حضرت امام بخاریؒ اپنی صحیح میں الفاظ کے معانی بیان کرتے ہیں-، اور نص کی مراد کو سمجھانا ''تاویل'' ہے۔

② کسی آیت کی تفسیر میں صحابہ یا تابعین کی آرا متفق ہوں تو یہ اِجماع بھی تفسیر بالروایہ (تفسیر بالماثور) کے قبیل سے ہوگا؛ کیوں کہ اجماعِ امت ایک حجتِ شرعیہ ہے اور دلائلِ نقلیہ کے قبیل سے ہے؛ لیکن اگر اِس تفسیر پر صحابۂ کرام یا تابعین کا اجماع نہ ہو تو یہ تفسیر تفسیر بالرائی کے قبیل سے ہوگی۔ (فصول فی اصول التفسیر)

تفسیر بالماثور سے متعلق مشہور تفاسیر

۱	جامع البيان في تأويل آي القرآن	لابن جرير الطبري
۲	الدر المنثور في التفسير بالمأثور	للسيوطي
۳	المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز	لابن عطية
٤	معالم التنزيل	للبغوي

واجتہاد سے کی گئی ہو۔

رائے: اُصولیوں کے نزدیک قواعدِ مقررہ کے تحت اَحکامِ شرعیہ کو مستنبط کرنا۔

تفسیر بالدرایہ: یعنی تفسیر بالرائے (۱) کرنے کے لیے مندرجۂ ذیل علوم کا ہونا ضروری ہے:

علمِ نحو وصرف، لغت واشتقاق، علومِ بلاغت، علمِ قراءت، علمِ عقائد، علمِ اصولِ فقہ، اسبابِ نزول، ناسخ ومنسوخ اوران احادیث کا معلوم ہونا ضروری ہے جوقرآنِ مجید کی تفسیر میں وارد ہیں۔

تفسیر بالاشارہ (تفسیرِ اشاری): متقیوں اورصالحین کے دِلوں پر تدبر وتامل کے بعد منکشف ہونے والے وہ اَسرار ودَقائق ہیں جو مخفی اِشارات سے مستنبط ہوں، جیسے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا سورۂ نصر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی خبر کو مستنبط کرنا (۲)۔

---

(۱) تفسیر بالرأی الجائز سے متعلق مشہور تفاسیر

۱	أنوار التنزيل وأسرار التأويل	للبيضاوي
۲	مدارك التنزيل وحقائق التأويل	للنسفي
۳	البحر المحيط	لأبي حيان الأندلسي
٤	روح المعاني	للآلوسي

(۲) اگر ان اسرار ودقائق کا استنباط قواعدِ عربیہ کے خلاف ہو یا اُصولِ شرع سے مُتصادِم ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

فصل دوم در مناہج تفسیر

مناہجِ تفسیر تین ہیں: منہجِ رسول، منہجِ صحابہ اور منہجِ تابعین۔

منہجِ رسول: صحابۂ کرامؓ اہلِ عرب تھے، اپنی فطری صلاحیت کی بنا پر قرآنِ مجید کے معانی ومفاہیم کو بخوبی سمجھ لیتے تھے؛ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیت کی تفسیر میں ضرورت سے زیادہ تفصیل نہ فرماتے تھے؛ اِسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے سامنے ہر ہر آیت کی تفسیر بیان نہیں فرمائی؛ بلکہ عموماً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفسیر چھ اُمور پر مشتمل ہوتی تھی:

۱- مجمل لفظ کی وضاحت کرنا①، جیسے: ﴿اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ [البقرة: ٤٣]، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''زکوۃ'' کی وضاحت کرتے ہوئے اُن اَموال کو ذکر فرمایا جن میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، نیز اُن حصوں کو بیان کیا جن کو اَدا کرنا ہے②۔

۲- مشکل لفظ کو واضح اور ظاہر کرنا،③ جیسے: ﴿وَأَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ

---

① مجمل: وہ لفظ جس میں اس درجہ ابہام ہو کہ: خود شارع یا متکلم کی وضاحت کے بغیر دور نہ ہو سکے، جیسے مصطلحات شرعیہ کی وضاحت کرنا۔

② جیسے بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لَيْسَ فيْما دُوْن خَمْس ذود صَدَقة مِن الإبِل، وَلَيْس فِيْما دُوْن خَمْس أَوَاق صَدقَة، وَلَيْس فِيْما دُوْن خَمْسة أَوْسُق صَدَقة'' یعنی اونٹوں کے ریوڑ میں پانچ سے کم میں زکاۃ نہیں، پانچ میں ایک بکری واجب ہے، اور پانچ اوقیوں (دوسو درہم) سے کم میں زکات نہیں، اور پانچ وسق (تین سو صاع) سے کم پیداوار میں زکات نہیں۔ (صحیح بخاری: ۱۴۴۷)

③ مشکل: وہ لفظ جس کا معنیٰ بذاتِ خود -خارجی دلیل کی دلالت کے بغیر- واضح نہ ہو۔

مِنْ قُوَّةٍ﴾ [الأنفال:٦٠] میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفظ ''قوۃ'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''أَلَا إِنَّ القوّة الرَّمْيُ!''، تیراندازی کرنا یہ (بھی) ''قوت'' میں داخل ہے۔ (صحیح مسلم:۱۹۱۷)

۳-قرآنِ مجید میں مذکور عام لفظ میں تخصیص کرنا، جیسے: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ [النساء:۱۱]، میں مطلقاً وِلادت کی وجہ سے وَراثت کو واجب فرمایا تھا؛ اس پر ابن قیم فرماتے ہیں کہ: سنتِ رسول سے یہ معلوم ہوا کہ: قاتل، کافر اور غلام وارث نہ ہوگا۔ (قواعد التفسیر)

۴-مطلق لفظ کو مقید کرنا، [1] جیسے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا﴾ [2] [المائدة: ۳۸]، یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ عملیہ نے ''قطع'' کے باب میں لفظِ ید کو ''رُسغ'' کی قید سے مقید کر دیا۔

۵-کسی غریب لفظ کا لغوی معنیٰ بیان کرنا، جیسے: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ [3] [الانشقاق: ۱۹] میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سند سے ''طبقا عن طبق'' کا معنیٰ ''حالاً بعدَ حالٍ'' سے ذکر فرمایا۔ (صحیح بخاری:۴۹۴۰)

---

(۱) مطلق کو مقید پر محمول کرنے نہ کرنے کی بابت عمدہ مختصر اور تفصیلی گفتگو کے لیے حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب ''آسان اصول فقہ'' ملاحظہ فرمالیں۔

(۲) یعنی: چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت (پہلی مرتبہ چوری کرے) تو داہنا ہاتھ (گٹّے پر سے) کاٹ دو!۔

(۳) تم کو سیڑھی پر سیڑھی چڑھنا ہے، یعنی: دنیا کی زندگی میں مختلف دَور سے بتدریج گزر کر آخیر میں موت کی سیڑھی ہے، پھر عالمِ برزخ کی، پھر قیامت کی، پھر قیامت میں خدا جانے کتنے احوال ⇐

۶-آیت سے متعلق تشریح اور وضاحت کرنا، جیسے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ [مریم:۹٦] کی تشریح کرتے ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو حکم ہوتا ہے: اے جبرئیل! مَیں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں؛ لہٰذا تم بھی اُن سے محبت کرو! چناں چہ آسمانوں میں اس کا اِعلان ہوتا ہے، پھر اس کی محبت آسمانوں سے اترتی ہوئی زمین پر بھی پہنچ جاتی ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ [مریم:۹٦].

پھر مضمون کے تعلق سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید یہ بھی فرمایا کہ: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے نفرت کرتے ہیں تو جبرئیل سے فرماتے ہیں: اے جبرئیل! میں فلاں بندے سے نفرت کرتا ہوں؛ لہٰذا تم بھی اس سے نفرت کرو! چناں چہ آسمان میں ندا ہوتی ہے، اس کے بعد زمین والوں کے دِلوں میں بھی اس کی نفرت ڈال دی جاتی ہے''۔ (جامع ترمذی:۳۱٦۱)

منہجِ صحابہ کی چار انواع

منہجِ صحابہ: صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تفسیر میں غلو اور تکلُّف سے دور تھے[۱]، اِسرائیلیات نقل کرنے میں محتاط تھے؛ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر

⬅ و مراتب درجہ بہ درجہ طے کرتے ہیں!۔ (فوائد عثمانی)

[۱] ابو عبید نے ''الفضائل'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ منبر پر ﴿وَفَاكِهَةً وَّأَبًّا﴾ [عبس: ۳۱] کی تلاوت فرمائی اور فرمایا: ''هٰذِهِ الفَاكِهَةُ قَدْ عَرَفْنَاهَا، ⬅

اپنے اندر پورے قرآن کو لیے ہوئے نہیں ہے۔

صحابہ کے تفسیر کرنے کے طریقے چار تھے:

۱-تفسیر القرآن بالقرآن: کسی آیت میں مذکور لفظِ مجمل کی وضاحت، مطلق کی تقیید، عام میں تخصیص وغیرہ امور کو دوسری آیت سے ذکر کرنا[۱]۔

۲-تفسیر القرآن بالسنۃ النبویۃ: صحابۂ کرامؓ جب کسی آیت کی تفسیر قرآنِ مجید میں نہ پاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رُجوع فرماتے تھے، تاکہ آیتِ کریمہ پر عمل کرسکے، جیسے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾[۲] [الأحزاب:٥٦]

۳-تفسیر القرآن باللغۃ العربیۃ: قرآنِ مجید کا نزول عربی زبان میں ہوا ہے جو صحابۂ کرامؓ کی اپنی مادری زُبان تھی، لہٰذا صحابۂ کرامؓ اپنی زبان کے مطابق

← فَمَا الأَبُّ؟'' یعنی: ہم ''فَاكِهَة'' کے معنیٰ تو سمجھ گئے؛ لیکن ''أبّ'' کے معنیٰ نہیں سمجھے! اس کے بعد حضرت عمرؓ اپنے آپ سے کہنے لگے: ''إِنّ هٰذَا لَهُوَ التَّكَلُّفُ يَا عُمَرُ!''. (مباحث)

[۱] ان صورتوں کی مثالیں مناہج تفسیر کے تحت آچکی ہیں۔

[۲] یعنی: اے ایمان والو! تم (بھی) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلاۃ وسلام بھیجو! دیکھیے صحابۂ کرام کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھیجنے کا طریقہ: ''التحياتُ لله، والصلواتُ والطيباتُ؛ السلامُ عليك أيها النبي'' سے معلوم ہوگیا تھا؛ لیکن صلاۃ بھیجنے کا طریقہ معلوم نہ تھا؛ لہٰذا حضرت کعب بن عجرہؓ فرماتے ہیں کہ: ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ''صلاۃ'' بھیجنے کا طریقہ معلوم کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ درود پاک پڑھا کرو: اللّٰهم صَلِّ عَلیٰ محمَّد وعَلیٰ اٰلِ محمَّد كمَا صَلَّيت عَلیٰ إبْراهِيم وعَلیٰ اٰل إبْراهيْم إنَّك حَميدٌ مجيْدٌ؛ اللّٰهمَّ بارِكْ عَلیٰ محمَّد وعَلیٰ اٰلِ محمَّد كمَا بارَكتَ عَلیٰ إبرَاهيم وعَلیٰ اٰلِ إبْراهيْم إنَّك حمِيْد مجِيْد. (صحيح بخاری: ٣٣٧٠)

قرآن مجید کی تفسیر فرماتے تھے؛ اس کی مثالیں بے شمار ہیں، ایک مثال باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ، وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ﴾ [الانشقاق:۲] کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سَمِعَتْ لِرَبِّها(۱).

۴-تفسیر القرآن بالاجتہاد والاستنباط: صحابہ چوں کہ خالص عربی تھے، عربی زبان کے رموز واسرار سے خوب واقف تھے، نیز عرب کی عادات واَخلاق اور جزیرۃ العرب کے یہود ونصاریٰ کے اَحوال سے بھی خوب اچھی طرح واقف تھے؛ مزید برآں کہ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُنھیں غیر معمولی عقل وفہم سے بھی نوازا تھا؛ لہٰذا جب وہ حضرات کسی آیت کی تفسیر قرآن مجید اور سنتِ رسول میں نہ پاتے تو اِجتہاد واستنباط سے تفسیر فرماتے تھے(۲)۔

---

(۱) یعنی جب آسمان -حکمِ تکوینی کے مطابق- پھٹ جائے گا، اور اپنے رب کا حکم سن لے گا، اور وہ آسمان (مقدور ومقہور ہونے کے لحاظ سے) اسی لائق ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک کے سامنے گردن ڈال دے۔

ملاحظہ: غرائب القرآن سے متعلق روایات اسی قبیل سے ہوں گی۔

(۲) جیسے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے کچھ مشکل سوالات کیے گئے تھے، ان میں سے ایک سوال یہ تھا: ﴿اَمِ السَّمَاءُ بَنٰهَا (إلی قوله:) وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا﴾ [النازعات: ۲۷- ۳۰]، اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خلقِ سماوات کا پہلے ہونا اور خلقِ ارض کا بعد میں ہونا ذکر فرمایا ہے، حالاں کہ دوسری آیت: ﴿اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ (إلی قوله:) ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ -وَهِيَ دُخَانٌ- فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا، قَالَتَا: اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ﴾ [فصلت: ۹-۱۱] سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ: خلقِ ارض پہلے ہوا ہے؟

اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''پہلے دو دِن میں زمین کو بنایا، پھر دوسرے دو دِن ⬅

منہجِ تابعین کی چھ انواع

حضراتِ تابعین نے علمِ تفسیر براہِ راست صحابہؓ سے حاصل کیا تھا، اُنھوں نے حضراتِ صحابہ سے وہ باتیں سن رکھی تھیں جن کو مابعد والے نہ سن سکے؛ لہٰذا تفسیر میں اُن کے اقوال کا خاصہ لحاظ کیا جاتا ہے؛ چناں چہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابنِ عباسؓ سے سورۂ فاتحہ سے اخیر تک تین مرتبہ پورا قرآن اس طور پر پڑھا کہ ہر آیت پر حضرت ابنِ عباس سے آیت کی تفسیر پوچھا کرتا تھا۔

تابعین کے دور میں تفسیر کرنے کے چھ طریقے مروَّج تھے:

۱-تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالسنۃ النبویۃ، تفسیر القرآن باقوال الصحابہ، تفسیر القرآن باللغۃ العربیۃ، تفسیر القرآن بالاجتہاد اور اہل کتاب کی مرویات۔

ملاحظہ: اجتہاد کے مواقع میں مستدلین حضرات تین قسم کے ہوتے ہیں:

۱-وہ حضرات جو دلیل اور مدلول (مُدَّعیٰ) دونوں میں اِصابت کو پہونچ گئے، یہ وہ لوگ ہیں جو "ما أنا علیہ وأصحابي" کے مصداق ہیں جنہیں اہلِ سنت و جماعت سے یاد کیا جاتا ہے۔

۲-وہ حضرات جو مدلول -یعنی: مدَّعی- کی بابت تو اِصابت کو پہونچ گئے

⊃ میں آسمانوں کو بنایا، اس کے بعد دو دن میں زمین کے متعلقات کا بندوبست کیا گیا"؛ گویا چار دن زمین اور اس کے متعلقات کے ہوئے اور دو دن میں آسمان بنائے، کل چھ دن ہو گئے۔

ہیں؛ لیکن کسی مخصوص دلیل سے اِستدلال کرنے میں غلطی کر گئے ہیں، جیسے حضراتِ فقہا کے بعض مستدلات کا حال ہے۔

۳- وہ حضرات جو دلیل و مدلول دونوں ہی میں خطا کر گئے ہیں، جیسے معتزلہ، جہمیہ وغیرہ بدعتی فرقے۔

اِسرائیلیات درآنے کی وجہ

معلوم ہونا چاہیے کہ: لوگ چوں کہ فطری طور پر اَگلوں کے واقعات کو توجہ سے سنتے ہیں اور اُن سے عبرت بھی حاصل کرتے ہیں؛ لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے تورات وانجیل اور دیگر کتبِ سماویہ میں اَنبیائے سابقین اور اُممِ ماضیہ کے واقعات کو بڑی تفصیل کے ساتھ مع جزئیات ذکر فرمائے تھے؛ اور اہلِ کتاب بھی اُن واقعات کی تفاصیل نقل کرتے رہتے تھے؛ لیکن قرآنِ مجید میں باری تعالیٰ نے اُن واقعات کے ضروری جزئیات کو نہایت اِختصار کے ساتھ ذکر فرمایا، تاکہ اصل مقصد ''عبرت حاصل کرنا'' فوت نہ ہونے پائے۔

دوسری طرف عام لوگوں کی طبیعتیں کسی واقعے سے متعلق تمام جزئیات کی چھان بین کرنے کی طرف مائل ہوتی رہتی ہیں، نیز اَب اہلِ کتاب کے کچھ وہ حضرات بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے جو ان واقعات کی جزئیات سے واقف تھے؛ لہٰذا اُنھوں نے تفسیر کے دَوران اُن اِسرائیلیات کو بھی ذکر کرنا شروع کردیا؛ نتیجہ یہ ہوا کہ: علمِ تفسیر میں اِسرائیلیات کا بڑا حصہ داخل ہوگیا!۔

ملاحظہ: زیادہ تر اِسرائیلیات عبداللہ بن سلام، کعب احبارؒ، وہب بن مُنبّہ اور

عبدالملک بن جریج سے منقول ہیں۔

اسرائیلیات کا حکم: وہ اسرائیلیات جو ہماری شریعت سے متصادِم ہوں اُنھیں تفسیر کے دوران نقل کرنا جائز نہیں! ہاں وہ اِسرائیلیات جو ہماری شریعت کے موافق ہیں اُن کو بطورِ استشہاد ذِکر کرنا جائز ضرور ہے؛ لیکن علمِ تفسیر کے لیے ضروری نہیں ہے۔

نیز وہ اسرائیلیات جو نہ شریعت سے متصادم ہوں نہ ہی موافق ہوں تو سنداً صحیح نہ ہونے کی وجہ سے نہ ہم اُن کی تصدیق کریں گے اور نہ ہی تکذیب (۱)۔

ملاحظہ: معلوم ہونا چاہیے کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُصولِ عقائد، مکارمِ اخلاق اور صفاتِ حمیدہ مشہورہ میں جملہ اَنبیائے سابقین کی پیروی کرنے کا حکم فرمایا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللهُ، فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ [الأنعام: ۹۰]؛ کیوں کہ تمام اَنبیائے کرام اِن امور میں متحد تھے، ہاں فروع (شرائع) میں اختلاف تھا؛ لہٰذا شرائع میں اتباع کا حکم نہ تھا (۲)۔

---

(۱) اسرائیلیات سے متعلق تفصیل کے لیے ''روح القدیر فی اصول التفسیر'' کے باب اول کی فصل ثالث ملاحظہ ہو۔

(۲) اس کی دلیل بخاری شریف کی روایت ہے: مجاہد کہتے ہیں کہ: میں نے ایک مرتبہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: سورۂ ''صاد'' میں ﴿فَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ﴾ جہاں حضرت داوٗد کے سجدہ کا ذکر ہے، وہاں سجدہ ہے؟ اس پر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! اور مذکورہ آیت سے استدلال فرمایا کہ: ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللهُ، فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾: جب اس آیت میں حضرت داوٗد علیہ السلام کے سجدہ (صفتِ حمیدہ) کا ذکر ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (اصول، مکارمِ اخلاق اور صفاتِ حمیدہ) میں دیگر انبیاء کی اقتدا کا حکم ہے؛ (لہٰذا آپ نے بھی یہاں سجدہ کیا ہوگا)۔

فصل سوم در مآخذ

تفسیر کے مآخذ معتبرہ چھ ہیں:

۱-تفسیر القرآن بالقرآن: ایک آیتِ قرآنی کے اَحکام ومطالب اوراَسرار وحِکَم کو نیز مرادِ باری تعالیٰ کو دوسری آیتِ قرآنی سے بیان کرنا تفسیر القرآن بالقرآن کہلاتا ہے، جیسے: ﴿وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ﴾① [الطور: ۵] میں ''سَقْف'' کی تفسیر حضرت علیؓ نے سَماء سے فرمائی اور دلیل میں آیتِ قرآنی: ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا﴾ [الأنبیاء: ۳۲] پیش فرمائی۔

ملحوظہ: تفسیر القرآن بالقرآن یہ بلیغ ترین تفسیر ہے②؛ کیوں کہ ہر قائل اَپنی مراد کو دوسرے کے بہ نسبت زیادہ جانتا ہے۔

یہ تفسیر اگرچہ بلیغ ترین تفسیر ہے؛ لیکن چوں کہ اس تفسیر میں مفسر کی رائے

---

① قسم ہے اونچی چھت کی یعنی آسمان کی قسم جو زمین کے اوپر ایک چھت کی طرح ہے؛ اس آیت میں حضرت علیؓ نے ''سقف'' سے آسمان مراد لیا ہے، کیوں کہ باری تعالیٰ نے ﴿وَجَعَلنَا السَّمَآءَ سَقفًا مَّحفُوظًا﴾ ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے، اس آیت میں آسمان کو چھت سے تعبیر فرمایا ہے۔

آسمان کو محفوظ چھت سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ: وہ گرنے ٹوٹنے پھوٹنے بدلے جانے اور شیاطین کے استراقِ سمع سے محفوظ ہے۔ (فوائد عثمانی بزیادۃ)

② فائدہ: تفسیر القرآن بالقرآن کا درجہ مفسّر کو دیکھتے ہوئے طے کریں گے؛ لہٰذا اگر یہ تفسیر کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو یہ تفسیرِ نبوی کے قبیل سے ہوگی، اور صحابی یا تابعی ہو تو تفسیرِ صحابی یا تفسیر تابعی کے قبیل سے ہوگی؛ نیز اُمورِ اجتہادیہ میں ہو تو تفسیر بالدرایہ کے قبیل سے ہوگی۔

واجتہاد کا دَخل ہوتا ہے؛ لہٰذا اس تفسیر کا ہر جگہ صحیح ہونا ضروری نہیں (۱)۔

۲-تفسیر القرآن بالسنۃ النبویۃ: مرادِ باری تعالیٰ کو سمجھنے کے لیے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدِّ نظر رکھنا، جیسے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ (۲) [الأنفال:٦٠]، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "قوّۃ" کی تفسیر تیر اَندازی سے فرمائی اور فرمایا: "ألا إنَّ القُوَّة الرَّمْيُ، ألا إنَّ القُوَّة الرَّمْيُ، ألا إنَّ القُوَّة الرَّمْيُ". (۳) (صحیح مسلم:۱۹۱۷)

۳-تفسیر القرآن باقوال الصحابہؓ: مرادِ خداوندی کو سمجھنے کے لیے اُن اَقوال صحابہ کو مدنظر رکھنا جو صحت کے ساتھ منقول ہیں؛ کیوں کہ صحابۂ کِرام- رِضوانُ

---

(۱) جیسے: مجاہد نے ﴿ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهُ﴾ [عبس: ٢٠] کی تفسیر باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿إِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ﴾ [الدھر:٣] سے بطریقِ تفسیر القرآن بالقرآن فرمائی ہے، پھر طبری نے اِس تفسیر سے اعراض کرتے ہوئے ﴿ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهُ﴾ کی تفسیر "انسان کا ماں کے پیٹ سے نکلنا" سے کی ہے؛ اب اگر تابعی کی تفسیر القرآن بالقرآن کو تسلیم کرنا ضروری ہوتا تو طبری مجاہد کی تفسیر سے اعراض نہ فرماتے۔ (فصول فی اصول التفسیر)

(۲) یعنی خدا پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ: اسبابِ ضروریہ مشروعہ کو ترک کر دیا جائے؛ نہیں! مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامانِ جہاد فراہم کریں۔
نبیٔ کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہدِ مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا، سامانِ جہاد تھا؛ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروز وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنونِ حربیہ کا سیکھنا، بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامانِ جہاد ہے۔ (فوائد عثمانی)

(۳) تفسیر کی یہ قسم فہمِ قرآنِ مجید کے لیے اصل کا درجہ رکھتی ہے؛ کیوں کہ آیاتِ قرآنیہ کو سمجھانا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرضِ منصبی تھا؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیثِ مبارکہ سے آیتِ قرآنی کے عموم کی تخصیص، اِطلاق کی تقیید، اجمال کی تفصیل اور مشکل کی وضاحت وغیرہ امور کو واضح فرمایا ہے۔

اللہِ عَلَیْھِم اَجمَعِیْن- نے وحی کو اُترتے دیکھا تھا، اَحوال کا معائنہ کیا تھا، الفاظ کے معانی کو بھی اچھی طرح سمجھا تھا، نیز انھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست قرآنِ مجید کے معانی سمجھنے کا مکمل موقع میسر آیا تھا؛ لہٰذا جمہور امت کے نزدیک اقوال صحابہ حجت ہیں۔

۴-تفسیر القرآن باقوال التابعینؒ: قرآن مجید کی تفسیر کے لیے اَقوالِ تابعین کی طرف رُجوع کرنا؛ کیوں کہ تابعین نے علمِ تفسیر کو حضراتِ صحابہ کرام سے حاصل کیا تھا۔

۵-تفسیر القرآن باللغۃ العربیّہ: مُرادِ خداوندی کو سمجھنے کے لیے عربی زبان کے اَلفاظ، اُن کے لغوی وشرعی معانی اور طریقۂ اِستعمال کو مدِّ نظر رکھ کر تفسیر کرنا، جیسے: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا، وَصَلِّ عَلَيْهِمْ "إِنَّ صَلَاتَكَ" سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (۱) [التوبۃ: ۱۰۳]، میں صلاۃ کی تفسیر معنئ لغوی "دُعا" سے کرنا (۲)۔

---

(۱) اوپر ذکر کردہ چار مآخذ: یعنی تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالسنۃ النبویہ، تفسیر القرآن باقوال الصحابۃ اور تفسیر القرآن باقوال التابعین "تفسیر بالماثور"، یعنی تفسیر بالروایۃ سے متعلق ہیں، جب کہ تفسیر القرآن باللغۃ العربیۃ "تفسیر بالدرایۃ" سے اور تفسیر بالاشارہ "تفسیرِ اشاری" کے قبیل سے ہے۔

(۲) بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت عبداللہ بن اَبی اَوفیٰ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ: جب لوگ صدقات لے کر حاضرِ خدمت ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِن الفاظ میں دُعا دیا کرتے تھے: "اللّٰھُمَّ صلِّ علیٰ آلِ فُلانٍ". (صحیح بخاری: ۱۴۹۷)

ملاحظہ: اب بھی ائمہ کے نزدیک مشروع ہے کہ: جو شخص صدقہ لائے امام المسلمین بہ حیثیتِ ⬅

ملحوظہ: تفسیر القرآن باللغۃ العربیۃ کے جواز پر صحابہ کا اِجماع ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: أَيُّهَا النَّاس تَمَسّكُوْا بِدِيْوَان شِعْركُم فِي جَاهِلِيَّتكُمْ، فَإِن فِيْه تَفسِيْر كِتَابكُمْ''، اے لوگو! زمانۂ جاہلیت کے اَشعار کے مجموعہ پر جمے رہو؛ کیوں کہ اِسی میں قرآن مجید کی تفسیر چھپی ہوئی ہے (یعنی الفاظِ عربیہ کے معانی چھپے ہوئے ہیں)؛ اسی وجہ سے مجاہد اور امام مالک وغیرہ حضرات لغتِ عرب نہ جاننے والے مفسر پر سخت نکیر فرماتے تھے۔

۶۔ تفسیر بالاشارہ: تقویٰ، تعلق مع اللہ اور عملِ صالح کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نورِ الٰہی (یعنی: عقلِ سلیم اور فہم وفراست) سے تفسیر کرنا، جیسے ابن عباسؓ نے سورۂ نصر کی تفسیر میں فرمایا کہ: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا سے پردہ فرمانے کی اِطلاع دی ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۹۷۰)

ملحوظہ: تفسیر بالاشارہ کرنا اس وقت جائز ہے جب کہ: اس کے مطابق تفسیر کرنے میں لغتِ عرب (عربی الفاظ کے معانی) اور قواعدِ نحویہ وبلاغیہ کو چھوڑنا لازم نہ آئے ؛ یعنی: وہ تفسیر اَلفاظِ عرب کے معانیٔ متداولہ، تراکیبِ نحویہ اور اَسالیبِ بلاغیہ کے مطابق ہو۔ حضراتِ صوفیا کے کلام میں تفسیر بالاشارہ کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، جیسے علامہ آلوسیؒ کی تفسیر ''روح المعانی''۔

⬅ وارثِ نبی ہونے کے اس کے لیے دعاء کرے۔ البتہ جمہور کے نزدیک لفظِ ''صلوٰۃ'' کا استعمال نہ کرے جو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مخصوص حق تھا۔ (فوائد عثمانی)

تین مآخذِ غیر معتبرہ

مآخذِ غیر معتبرہ تین ہیں: اِسرائیلیات، تفسیر بالرأی المذموم اور علومِ فلسفیہ۔

۱- اسرائیلیات: اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی وہ مرویات جن کے بارے میں کتاب و سنت میں نکیر آئی ہو، یا اُن مرویات کا تعلق کسی حکمِ شرعی سے ہو تو ایسی اِسرائیلیات مردود ہیں؛ اور اگر وہ اسرائیلیات انبیائے کرام کے ایسے اَحوال و واقعات سے متعلق ہوں جو نصوصِ شرعیہ سے متعارض نہ ہوں تو ہم نہ اُن کی تصدیق کریں گے، نہ تکذیب [۱]۔

۲- تفسیر بالرأی المذموم [۲]: رائے سے ایسی تفسیر کرنا جو اَدلۂ معتبرہ - کتاب اللہ، سنتِ رسول اور اَقوالِ صحابہ - میں سے کسی دلیل کی طرف منسوب نہ ہو، یا اُصولِ شرع سے مُعارِض ہو، یا اَلفاظِ عرب کے معانیٔ متداولہ، تراکیبِ نحویہ اور اَسالیبِ بلاغیہ کے خلاف ہو۔

مثلاً: ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ [النساء: ۳] سے استدلال کرتے ہوئے نو آزاد عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دینا؛ اسی طرح باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ﴾ [المائدۃ: ۳] سے استدلال کرتے ہوئے خنزیر کی چربی کو حلال قرار

---

[۱] اس بحث کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''روح القدیر فی اصول التفسیر'' ملاحظہ ہو۔

[۲] وہ رائے جو اَدلۂ معتبرہ میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہو، اُصولِ شرع سے ماخوذ ہو اور قواعدِ لغویہ، تراکیبِ نحویہ واَسالیبِ بلاغیہ کے خلاف نہ ہو وہ ''رائے ممدوح'' کہلاتی ہے اور تفسیر میں معتبر ہے۔

دینا، یہ تفسیر کرنا باطل ہے؛ کیوں کہ عربی میں لحم کا لفظ شحم کو بھی شامل ہوتا ہے [1]۔

ملحوظہ ا: مذکورہ تفاسیر بھی تفسیر بالرای المذموم کے تحت داخل ہیں: تفسیر کے ضروری علوم حاصل کیے بغیر تفسیر کرنا، اُن متشابہات کی تفسیر کرنا جن کی مراد صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، بلا کسی دلیل کے اللہ تعالیٰ کی مراد کو قطعیت کے ساتھ بیان کرنا کہ: ''اللہ تعالیٰ کی مراد یہی ہے''، تفسیر کو اپنے مذہب کے تابع کرنا اور محض اپنی خواہشات سے تفسیر کرنا۔

۲- سائنس کی تحقیقات کے مطابق تفسیر کرنا تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے: اَلفاظِ قرآن اِس تفسیر کے محتمل ہوں، قرآنی مقصد سے متصادم نہ ہو اور اس تفسیر کی بنیاد مشاہدہ پر ہو، جیسے: ﴿يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ﴾ [2] [الزمر:٦].

---

[1] اہلِ اصول نے قواعد التفسیر میں تفسیر کا ایک قاعدہ یہ بھی ذکر کیا ہے: ''ہر وہ معنیٰ ومطلب جو قواعدِ عربیہ کے خلاف مستنبط کیا جائے وہ قابلِ رد ہے''، اس قاعدے کی وجہ سے جس طرح عقیدۂ سلف کے مخالف عقائد باطل ہو جاتے ہیں اسی طرح ملحدوں اور زندقوں کی تفسیر بالرای المذموم بھی باطل ثابت ہوتی ہے۔

[2] یعنی: بناتا ہے تم کو ماں کے پیٹ میں ایک طرح پر دوسری طرح کے پیچھے تین اندھیروں کے بیچ ، یعنی: ایک پیٹ اور دوسرا رحم، تیسری جھلی جس کے اندر بچہ ہوتا ہے۔ وہ جھلی بچہ کے ساتھ نکلتی ہے۔
اس آیت میں ''ظلماتِ ثلاثہ'' کی تفسیر تین دبیز پردوں اور جھلیوں سے کرنا، جیسا کہ ہمارے زمانے میں فنِّ طب کے ماہرین بتاتے ہیں کہ: بچہ ماں کے پیٹ میں تین جھلیوں میں لپٹا ہوا ہوتا ہے؛ دیکھیے اَلفاظِ قرآنی اِس تفسیر کا احتمال رکھتے ہیں، نیز یہ تفسیر ہدفِ قرآنی سے متصادم بھی نہیں، (نیز ہمارے زمانہ میں جدید آلات کے ذریعے اس کا مشاہدہ بھی ہو جاتا ہے)؛ لہٰذا یہ تفسیر کرنا جائز ہے۔ (نفحات العبیر)

۳-علوم فلسفیہ: علمِ فلسفہ میں چوں کہ فلسفیانہ طریقہ یعنی نرے عقلی انداز سے بحث وتمحیص کی جاتی ہے اور ماوراء المحسوس کو سمجھنے میں بھی عقل ہی کو فیصل گردانا جاتا ہے، حالاں کہ عقلِ اِنسانی کا ماوراء المحسوس کے اِدراک کرنے سے قاصر وعاجز ہونا مسلم ہے (۱)؛ لہٰذا صفاتِ باری یا صفاتِ متشابہات کی وضاحت فلسفیانہ طریقے سے کرنا -جیسا کہ معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کا طریقہ ہے- سراسر گمراہی ہے (۲)۔

---

(۱) معلوم ہونا چاہیے کہ: ایک اختلاف وہ ہے جو اہلِ سنت والجماعت کے درمیان آپس میں ہوتا ہے، جس پر ''صواب وخطا'' کا اِطلاق ہوتا ہے؛ اور دوسرا اختلاف وہ ہے جو ہمارے اور فرقِ باطلہ کے درمیان واقع ہوا ہے، اس پر ''حق وباطل'' کا اطلاق ہوتا ہے۔

ان دونوں اختلافات کے درمیان فرق اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ: فرقِ باطلہ پہلے اپنا ایک مخصوص نظریہ قائم کر لیتے ہیں، پھر نصوص کو اس پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اب جو نصوص ان کے نظریہ کے خلاف نظر آتی ہیں وہ انہیں رد کر دیتے ہیں؛ جب کہ اہلِ سنت وجماعت اپنے نظریہ کی بنیاد ہی نصوص پر رکھتے ہیں، یعنی: نصوص کے مجموعے کو دیکھ کر محتمل یا واضح نص کی بنیاد پر اپنا ایک نظریہ قائم کرتے ہیں، اس کے بعد جو نصوص اس نظریہ کے خلاف معلوم ہوں وہ ان کی تاویل کرتے ہیں۔ هٰذا إنْ كانَ حقًّا فَمِنَ اللّٰهِ، وإلَّا فمِنِّي ومِن الشَّيْطان.

(۲) معلوم ہونا چاہیے کہ انسانوں کے لیے حصولِ علم کے تین اَسباب ہیں: اوّل حواسِ خمسہ ظاہرہ سلیمہ، اِن سے اِنسان کو ''محسوسات'' کا علم ہوتا ہے؛ پھر جہاں پر حواسِ ظاہرہ کا دائرہ ختم ہوتا ہے وہاں سے عقل کا دائرہ شروع ہوتا ہے، اِن سے اِنسان کو ''معقولات'' کا علم ہوتا ہے؛ لیکن عقل کا دائرۂ کار بھی -حواسِ خمسہ ظاہرہ کی طرح- ایک حد پر جا کر منتہی ہو جاتا ہے؛ پھر وہاں سے ''خبرِ صادق'' -یعنی وحی- کا دائرۂ کار شروع ہوتا ہے۔

لہٰذا اہل سنت والجماعت کے یہاں جب تک ہماری عقل نقل کا ساتھ دے تب تک نقل کے ساتھ عقل کو بھی ساتھ ساتھ رکھا جاتا ہے؛ اور جن امور کے اِدراک میں عقل نقل کا ساتھ چھوڑ دے، جیسے: ←

ملحوظہ: صفاتِ متشابہات پر مکمل بحث عن قریب بابِ سوم کی فصل دوم کے تحت متشابہ حقیقی کے ضمن میں صفحہ: ۱۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

قبر وحشر، وزنِ اَعمال، صفات متشابہات میں ہوتا ہے تو ایسے مواقع میں عقل کو چھوڑ دیا جاتا ہے؛ جب کہ: معتزلہ وغیرہ فِرَقِ ضالہ ایسے مواقع پر بھی عقل کو فیصل مانتے ہیں۔

بابِ دوم
در اِختلافِ مفسرین

فصلِ اول در اسباب اختلاف

سلف کی تفاسیر میں اِختلاف کے اَسباب

معلوم ہونا چاہیے کہ: عموماً سلف کی تفاسیر کا اِختلاف نص کی بنیاد پر ہوتا ہے اس طور پر کہ: نصِ قرآنی[۱] میں ایک سے زائد معانی کا اِحتمال و جواز ہو، مثلاً:

۱- کوئی لفظ معانیٔ متضادّہ میں مشترک ہو، جیسے: ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ﴾[۲] [البقرۃ:۲۲۸] یہاں قرء کا لفظ: حیض اور طہر دونوں میں مشترک ہے۔

۲- کوئی لفظ معانیٔ غیر متضادہ میں مشترک ہو، جیسے: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾[۳] [الحج:۲۹]، یہاں عتیق کے دو معانی ذکر کیے جاتے ہیں: بہ معنیٰ قدیم اور بہ معنیٰ مُعتَق من الجبابرۃ۔

۳- ضمیر کے مرجع میں اِختلاف ہو، جیسے: ﴿وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ﴾[۴]

---

[۱] نص: متعین شکل و ترتیب والے الفاظ کا مجموعہ۔

[۲] اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین قروء (حیض یا طہر) تک انتظار میں رکھیں۔

[۳] تم مناسکِ حج کے بعد قدیم گھر کا طواف کرو؛ یہاں قدیم کے معنیٰ پرانے کے ہیں، اور بعض کے نزدیک ''بیتِ عتیق'' اس لیے کہا کہ: اِس گھر کو برباد کرنے کی غرض سے جو طاقت اُٹھے گی حق تعالیٰ اس کو کامیاب نہ ہونے دے گا، تا آں کہ خود اُس کا اُٹھا لینا منظور ہو۔ (فوائد عثمانی)

[۴] اکثر مفسرین اس جملہ کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ: انسان خود اپنی ناشکری پر زبانِ حال سے گواہ ہے، ذرا اپنی ضمیر کی آواز کی طرف متوجہ ہو تو سُن لے کہ اندر سے خود اُس کا دل کہہ رہا ہے کہ: ''تو بڑا ناشکرا ہے''۔

[العادیات: ۷]، یہاں دوطرح کی تفسیریں ہیں: "إِنَّ اللّٰهَ عَلیٰ ذٰلِكَ لَشَهِيْد"، اور "إِنَّ الإِنْسَانَ الكَنُوْدَ عَلیٰ ذٰلِكَ لَشَهِيْد".

۴- جملے سے متعلق کوئی لفظ محذوف ہو، پھر اس لفظِ مقدّر کی تعیین میں اختلاف ہو، جیسے: ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاءِ..، وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ [النساء: ۱۲۷][1].

۵- صیغے[2] کا گردان کے اعتبار سے دو اَصلوں کا محتمل ہونا، جیسے: ﴿وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ﴾ [البقرۃ: ۲۸۲]، **یعنی: نہ لکھنے والے کو تکلیف پہنچائی جائے، نہ گواہ کو؛ یہ ترجمہ یُضَارُّ کی اصل: یُضَارَرُ ماننے کی صورت میں**

➲ بعض سلف نے ﴿إِنَّهُ﴾ کی ضمیر رب کی طرف لوٹائی ہے، یعنی: اُس کا رب اُس کی ناسپاسی اور کفرانِ نعمت کو دیکھ رہا ہے۔ (فوائد عثمانی)

[1] یتیم لڑکیاں جو اپنے ولی کی تربیت میں ہوتی تھیں اُن میں دو صورتیں پیش آتیں:

۱- کبھی تو یہ ہوتا کہ: ولی کو اس کا مال و جمال دونوں مرغوب ہوتے، اور ولی اس سے تھوڑے مہر پر نکاح کر لیتا؛ کیوں کہ اس لڑکی کا حق مانگنے والا کوئی دوسرا شخص تھا ہی نہیں، اس کی ممانعت باری تعالیٰ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتَامىٰ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ [النساء: ۳] میں فرمادی، البتہ مہر وغیرہ میں انصاف کرنے کے ساتھ نکاح کی اجازت دی۔

۲- کبھی یہ ہوتا کہ: یتیم لڑکی کی صورت تو مرغوب نہ ہوتی مگر ولی یہ خیال کرتا کہ: اس کے مال و باغات میں دوسرا شریک ہو جائے گا، اس مصلحت سے نکاح تو جوں توں کر لیتا مگر منکوحہ سے کچھ رغبت نہ رکھتا۔ یہاں پہلی صورت "تَرْغَبُوْنَ فِي نِكَاحِهِنّ" کی تقدیر پر ہے اور دوسری صورت "تَرْغَبُوْنَ عَن نِكَاحِهِنّ" کی تقدیر پر ہے؛ رَغِبَ (س) رَغْبَةً، فِيْه: چاہنا، خواہش کرنا؛ عَنْهُ: اعراض کرنا، مُنہ پھیرنا۔ (فوائد عثمانی بزیادۃ)

[2] صیغہ: حروف کی ترتیب سے حاصل ہونے والی لفظ کی مخصوص شکل۔

ہے، دوسرا قول ہے کہ: اس کی اصل یُضَارِرُ ہے①۔

٦- لفظ کے استعمالِ عربی کا اِس طرح مختلف ہونا کہ: معنیٔ قریبی وبعیدی دونوں کا محتمِل ہو، جیسے: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾② [المدثر:٤]، یہاں ''ثیاب'' سے بعض مفسرین نے اس کے معنیٔ متبادِر: کپڑا مرادلیا ہے، جب کہ دوسرے حضرات نے اس کے معنیٔ غیر متبادر (معنیٔ مجازی): ''نفس'' کو مرادلیا ہے؛ اور اِستعمالِ عربی دونوں معانی کو جائز قرار دیتا ہے۔

٧- آیت کے محکم اور منسوخ ہونے میں اختلاف کا ہونا، جیسے: ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ، قُلِ الْعَفْوَ﴾③ [البقرة: ٢١٩]، کہا گیا ہے کہ: زکوۃ

---

① حضرت عمرؓ کی قراءت کے مطابق یہ فعلِ معروف ہے: ''لایُضارِرُ''، یعنی تحریف اور کمی زیادتی کرکے نہ لکھنے والا نقصان کرے، اور نہ گواہ؛ اور حضرت ابنِ عباسؓ کی قراءت کے مطابق یہ فعلِ مجہول ہے یعنی: کاتب کی اجرت اور گواہ کے آنے جانے کا خرچ نہ دے کر نہ کاتب کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی گواہ کو نقصان پہنچایا جائے۔ (روح المعانی)

② نماز کے لیے شرط ہے کہ: کپڑے پاک ہوں اور گندگی سے احتراز کیا جائے، اُن چیزوں کو یہاں بیان فرمادیا (یہ عبارۃ النص ہے)، نیز جب کپڑوں کا حِسّی ومعنوی نجاستوں سے پاک رکھنا ضروری ہے تو بدن کی پاکی بطریقِ اولیٰ ضروری ہوگی (یہ دلالت النص ہے)۔

بعض علماء نے کپڑوں کے پاک رکھنے سے نفس کا بُرے اخلاق سے پاک رکھنا مُرادلیا ہے، اور گندگی سے دور رہنے کے معنیٰ یہ لیے ہیں کہ بتوں کی گندگی سے دور رہیے، جیسے اب تک دور ہیں۔ (فوائد عثمانی)

③ لوگوں نے پوچھا تھا کہ: مال اللہ کے واسطے کس قدر خرچ کریں؟ حکم ہوا کہ: جو اپنے اِخراجاتِ ضروریہ سے زائد ہو؛ کیوں کہ جس آخرت کی فکر ضروری ہے دنیا کی فکر بھی ضروری ہے۔

کے حکم کی وجہ سے یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے، جب کہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ آیت صدقاتِ نافلہ کے بارے میں ہے اور اب بھی معمول بہا ہے۔

۸-آیت کے حکم کا عموم وخصوص کے درمیان مختلف ہونا، جیسے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾[1] [البقرۃ: ۲۲۱]، اس آیتِ کریمہ میں عموم وخصوص کے اعتبار سے دو قول ہیں[2]۔

۹-ایسی صفات کا ذکر ہو جو مختلف موصوفات کی محتمل ہوں، جیسے: ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا﴾[3] [النازعات: ۲،۱]، آیت میں مذکورہ

---

[1] پہلے مسلمان مرد اور کافر عورت اور اُس کے برعکس دونوں صورتوں میں نکاح کی اجازت تھی، اس آیت سے اُس کو منسوخ کردیا گیا؛ اگر مرد یا عورت مشرک ہو تو اس کا نکاح مسلمان سے درست نہیں، یا نکاح کے بعد ایک مشرک ہوگیا تو نکاحِ سابق ٹوٹ جائے گا۔

باقی اتنی بات دیگر آیات سے معلوم ہوئی کہ یہود اور نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے، وہ ان مشرکین میں داخل نہیں؛ بشرطے کہ وہ اپنے دین پر قائم ہوں، دہریہ اور مُلحِد نہ ہو، جیسے اکثر نصاریٰ آج کل کے نظر آتے ہیں۔(فوائد عثمانی)

[2] پہلا قول: اس آیت کا حکم مشرکین اور اہلِ کتاب عورتوں کو عام تھا، پھر باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ [المائدۃ: ۵] نے پہلی آیت کے حکمِ عام سے اہلِ کتاب عورتوں کو خارج کردیا۔ دوسرا قول: پہلی آیت کا حکم اہلِ کتاب کے علاوہ عرب کی مشرک بت پرست عورتوں کے لیے تھا؛ لہٰذا دوسری آیت نے پہلے کے حکم کو خاص نہیں کیا۔

[3] قسم ہے ان فرشتوں کی جو کافر کی رگوں میں گھس کر اُس کی جان سختی سے گھسیٹ کر نکالتے ہیں؛ اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو مؤمن کے بدن سے جان کی گرہ کھول دیں، پھر وہ اپنی خوشی سے عالمِ پاک کی طرف دوڑے، جیسے کسی کے بند کھول دیے جائیں تو آزاد ہوکر بھاگتا ہے۔(فوائد ملخصا)

صفات ملائکہ کی یا پھر ستاروں کی ہیں۔

۱۰-کسی لفظ میں قراءت کا اِختلاف ہو، جیسے: ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ﴾[1] [التكوير: ٢٤]، یہاں ﴿ضَنِيْنَ﴾ **بالضاد بمعنی: بخیل** اور ظَنِيْنَ **بالظاء بمعنی: متہم**، دونوں قراءتیں ہیں۔

یہ تفسیر اس صورت میں ہے جب کہ ملائکہ موت کی صفات ہوں، اور قتادہ فرماتے ہیں کہ: یہ نجوم کی صفات ہیں۔

[1] یعنی: یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے، ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے، اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا، نہ اُجرت مانگتا ہے، پھر کاہن کا لقب اس پر کیسے چسپاں ہوسکتا ہے جو بدونِ میٹھائی یا نذرانہ وغیرہ وصول کیے ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا؛ پیغمبروں کی سیرت سے کاہنوں کی پوزیشن کو کیا نسبت! (فوائد عثمانی ملخصا)

فصل دوم

درمواضع اختلاف

مفسرین کے درمیان مختلف فیہ جگہیں

مفسرین کا اِختلاف تین جگہوں پر زیادہ ہوا ہے: سببِ نزول، نسخِ آیات اور غریبِ قرآن کے معانی بیان کرنے میں؛ ہر ایک کی تفصیل الگ الگ ابحاث میں ملاحظہ فرمائیں۔

بحث اوّل

در اَسبابِ نزول

بحث اوّل در اَسبابِ نزول

نزول کے اعتبار سے آیاتِ قرآنیہ دو قسموں پر ہیں: سببِ خاص اور سببِ عام۔

سببِ نزول خاص

وہ آیات جن کا نزول: ۱- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں واقع ہونے والے کسی واقعے کے بعد ہوا ہو،

۲- یا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیے گئے کسی سوال کے جواب میں نزول ہوا ہو؛

۳- نیز آیات قرآنیہ میں اُس واقعہ سے متعلق ایسی تعریضات اور اِشارات بھی مذکور ہوں جن کو سمجھنے کے لیے شانِ نزول کا جاننا ضروری معلوم ہوتا ہو، کہ: اس کے بغیر آیت کا صحیح مطلب یا اس کا حکم سمجھ میں نہ آئے۔

ملحوظہ: مذکورہ بالا صورت میں متأخرین نَزَلَتْ فِيْ كَذَا کے ذریعے آیت کے شانِ نزول کو بیان کرتے ہیں؛ ہاں متقدمین یعنی صحابہ وتابعین نَزَلَتْ فِيْ كَذَا کو ''سببِ نزول خاص'' کے عِلاوہ مزید پانچ جگہوں (استنباطِ رسول، استشہادِ رسول، استنباطِ صحابہ، استشہادِ صحابہ اور تمثُّلِ صحابہ) پر بھی استعمال فرماتے تھے: جس کو احتمالی شانِ نزول سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

۲- سببِ عام: وہ آیات جن کا نزول اِبتداءً بہ غرضِ تشریع ہوا ہو، اس طور پر

کہ: اُن آیات کا تعلق نہ کسی خاص واقعے سے ہو اور نہ ہی کسی سوال سے۔

سببِ نزولِ عام

معلوم ہونا چاہیے کہ نزولِ قرآن کا مقصدِ اصلی –بہ قول حضرت شاہ ولی اللہ صاحب– تین چیزیں ہیں: دِماغ سے عقائدِ باطلہ کو مٹادینا، بگڑے ہوئے اَعمال کی اِصلاح کرنا اور نفوسِ بشریہ کو مہذَّب وشائستہ بنانا۔

پس انسانوں میں عقائدِ باطلہ کا پایا جانا یہ "آیاتِ جدَل" کے نزول کا سبب عام ہوگا، اور اَعمالِ فاسدہ کا پایا جانا، اسی طرح آپس میں ظلم وستم کا پھیلنا "آیاتِ اَحکام" کے نزول کا سبب عام ہوگا؛ اِسی طرح آلاء اللہ، اَیام اللہ اور موت، مابعد الموت کو یاد دِلائے بغیر اِنسانوں کا ہوشیار اور متنبہ نہ ہونا "آیاتِ تذکیر" کے نزول کا سببِ عام ہوگا۔

۱–آیاتِ جدَل: اِن آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مختلف دلائل وبراہین کے ذریعے فرقِ ضالہ اَربعہ (مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین) کے عقائد باطلہ، اَعمالِ شنیعہ اور اَخلاقِ رذیلہ کا مضبوط ردذکر فرمایا ہے[۱]۔

مثلاً: بعث بعد الموت کو مستبعد سمجھنے والے مشرکین کا رد متواترات سے فرمایا گیا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى، اَلَمْ

[۱] مشرکین کے عقائد اور اُن کی گمراہیاں، یہود ونصاریٰ کی گمراہیاں اور اس اُمّت میں ان کا نمونہ، اسی طرح نفاقِ اعتقادی وعملی اور نفاقِ عملی کے مظاہر کے لیے "الفوز الکبیر" کا مطالعہ اِن شاءاللہ العزیز بے حد مفید ثابت ہوگا۔

يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى، ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى؛ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى، "اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى"﴾ [القيامة: ٤٠]؛ اوراسی طرح مشاہدات کا ذکر فرما کر ردفرمایا: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الأَرْضَ خَاشِعَةً، فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ، "إِنَّ الَّذِيْ أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتىٰ"؛ إِنَّهُ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾.

۲- آیاتِ اَحکام: ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک فرد، ایک خاندان یا ایک شہر والوں کی عبادات ومعاملات سے متعلق اَحکامات-فرائض وواجبات، حلال وحرام اورمندوبات ومکروہات-کوذکرفرمایا ہے۔

ملاحظہ: صاحبِ "تفسیراتِ احمدیہ" کے بہ قول ایسی آیات جن میں صراحتاً احکام کا ذکر ہے وہ ۵۰۰ ہیں، اورجن آیات سے علمائے کرام نے احکام کا استنباط فرمایا ہے وہ غیرمحصور ہیں؛ کیوں کہ بیشتر آیاتِ قرآنیہ علم احکام پر مشتمل ہیں۔

۳- آیاتِ تذکیر بآلاء اللہ: اِن آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات وصفات کی پہچان کرواتے ہوئے بندوں پر اپنے عام اِحسانات اورکامل نعمتوں کوشمار کرواتے ہیں، اِسی طرح اپنی عجیب قدرت اورمخصوص انوکھی کاریگری کوذکر فرماکر بندوں کو اِطاعت واِنقیاد کی طرف دعوت دیتے ہیں؛ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُوْلِيْ الاَلْبَابِ﴾ [آل عمران: ١٩٠]۔

۴- آیات تذکیر بأیام اللہ: ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے گذشتہ

قوموں کے اُن واقعات کو ذکر فرمایا ہے جن میں مطیعین (اَنبیاء واَولیاء) کو مختلف نعمتوں سے نوازنا اور مجرمین (مشرکین ومنافقین وغیرہ) کو مختلف عذابوں میں مبتلا کرنا مذکور ہوتا ہے؛ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ [یوسف: ۱۱۱]۔

ملاحظہ: لوگ چوں کہ اَگلوں کے واقعات کو توجہ سے سنتے ہیں اور ان سے عبرت بھی حاصل کرتے ہیں؛ لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے تورات، انجیل اور دیگر کتبِ سماویہ میں اَنبیائے سابقین اور اُممِ ماضیہ کے واقعات مع جزئیات کے بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر فرمائے تھے؛ نیز اہلِ کتاب بھی اُن واقعات کی تفاصیل نقل کرتے رہتے تھے؛ لیکن قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے اُن واقعات کے ضروری جزئیات کو نہایت اِختصار کے ساتھ ذکر فرمایا[۱]۔

۵- آیات تذکیر بالموت ومابعدہ: ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں میں خوف وخشیت کی کیفیت پیدا کرنے یا اُمید وشوق دِلانے کے لیے اُمورِ آخرت: موت وبرزخ، حشر ونشر، حساب وکتاب اور جنت وجہنم کو ذکر فرماتے ہیں۔

سببِ نزول خاص ذکر کرنے کے فوائد

۱- معنیٔ مرادی سے واقف وباخبر ہونا، آیت کے مقصود بالذات مفہوم ومطلب -یعنی: عبارت النص- کو سمجھنے میں معاوِن ہونا[۲]، آیت کا مطلب سمجھنے

[۱] تکرارِ قصص کی حکمت الفوز الکبیر باب ثانی کی فصلِ ثانی یا رَوح القدیر ص: ۴۴ پر ملاحظہ ہو۔

[۲] حضرت عروۃ بن الزبیرؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے ⬅

میں پیش آنے والی دُشواری کو دور کرنا①، پہلی نظر میں کلام سے ظاہر ہونے والے مطلب سے ہٹ کر مقصودِ کلام کو سمجھنا②، فوائد قیود کو جاننا③ اور کسی حکمِ شرعی میں

⬅ باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ "فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا"﴾ [البقرۃ: ۱۵۸] کے بابت پوچھا کہ اس آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی حاجی یا معتمر صفا و مروہ کی سعی نہ کرے تو اس پر کوئی جزا لازم نہ ہوگی!

اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں؛ کیوں کہ اگر یہی معنیٰ (استحباب) بتانا مقصود ہوتا تو عبارت یوں ہوتی: "فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَّطَّوَّفَ بِهِمَا"؛ نیز آیت میں مذکور تعبیر کی اصل وجہ یہ ہوئی تھی کہ: زمانۂ جاہلیت میں انصارِ مدینہ منات سے احرام باندھتے تھے اور منات سے احرام باندھنے والا صفا و مروہ کی سعی کو ناپسند کرتا تھا؛ لہٰذا اسلام کے بعد انصارِ مدینہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بابت دریافت فرمایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ: زمانۂ جاہلیت میں اگرچہ صفا و مروہ پر اِساف و نائلہ نامی دو بُت رکھے ہوئے تھے؛ لیکن اب یہ بت رہے نہیں، نیز صفا و مروہ شعائرِ اسلام میں سے بھی ہیں؛ لہٰذا اِن کی سعی کرنے میں کوئی حرج محسوس نہ کرنا چاہیے۔ (صحیح بخاری، مؤطا مالک)

① جیسے باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ [القمر: ۴۵] کے بابت حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: مجھے یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ: اس آیت میں کون سے گروہ کی شکست کا تذکرہ ہے (کیوں کہ اِس آیت کا نزول مکہ میں ہوا تھا)؛ لیکن جب بدر کے دن میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا (تب آیت کا مطلب سمجھ میں آیا)۔ (مباحث فی علوم القرآن)

② جیسے: باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ [البقرۃ: ۱۹۵] میں ہوا ہے، جب مسلمانوں نے رومیوں پر حملہ کیا اُس وقت حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا: "لوگو! تم اس آیت کا مطلب یہ سمجھتے ہو کہ: بہادری کا مظاہرہ کرنا یہ خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے"! حالاں کہ یہ آیت ہم انصار کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت بخشی اور اس کے معاونین و مددگار بہت ہوگئے تب ہم انصار نے آپس میں یہ بات کی تھی کہ: "کاش! ہم اپنے کاروبار میں ٹھہرتے اور اُس کو سنوارتے"! پس اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری: ۴۵۱۶، ابوداؤد، قسطلانی)

⬅

واردِ سختی کے اَسباب کا معلوم ہونا(۱)۔

➲ گویا یہ آیت جہاد میں خرچ نہ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے، بہادری دکھانے کے بابت نہیں!

(۳) حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ: ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ تک نازل کی گئی تھی اور ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ والا قرینہ نازل نہیں ہوا تھا؛ لہٰذا کچھ لوگ جب روزہ رکھتے تو اپنے دونوں پیروں میں سیاہ وسفید دھاگے باندھ لیتے اور برابر کھاتے رہتے، یہاں تک کہ دونوں خوب واضح طور پر نظر آجاتے؛ پس اللہ تعالیٰ نے بعد میں ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ کی قید نازل فرمائی تب لوگوں نے جانا کہ: آیتِ مذکورہ میں خیطِ ابیض اور خیطِ اسود سے رات کا دن سے واضح ہوجانا مراد ہے۔(صحیح بخاری:۴۵۱۱)

(۱) جیسا کہ بنو اسرائیل پر ذبحِ بقرہ کے سلسلہ میں تشدد کی وجہ حدیث شریف میں آئی ہے کہ: اگر بنو اسرائیل کسی بھی گائے کو ذبح کر لیتے تو کافی ہوجاتا؛ لیکن جب انہوں نے (مختلف سوالات کے ذریعے) اپنے اوپر سختی برتی تو باری تعالیٰ نے بھی ذبحِ بقرہ کے حکم میں سختی نازل فرمائی۔(جلالین)

اسی طرح باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَاۗءِيْلُ عَلٰي نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ، قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْھَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾.[آل عمران: ۹۳]، حضرت یعقوب علیہ السلام کو چڈّوں کے درد(عرق النسا) کی شکایت ہوگئی تھی، انہوں نے منت مانی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس بیماری سے شفا عطا فرمائیں تو وہ اپنی مرغوب غذا چھوڑ دیں گے، چناں چہ شفا ہوگئی، ان کو سب سے زیادہ پسند اونٹ کا گوشت اور دودھ تھا، انہوں نے نذر کے سبب ان کو چھوڑ دیا، پھر تورات میں ان کی اولاد(بنی اسرائیل) کے لیے بھی یہ دونوں چیزیں حرام کردی گئیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے یہ چیزیں حرام نہیں تھیں۔(تحفۃ القاری:۹-۱۵۴)

اس آیت میں مسلمانوں پر یہود کے الزام کا رد فرمایا ہے، وہ یہ الزام دیتے تھے کہ ”تم خود کو ملتِ ابراہیمی پر بتلاتے ہو اور اونٹ کا دودھ اور گوشت استعمال کرتے ہو جب کہ یہ دونوں چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے پر حرام کی گئی تھیں“، پس یہ آیت نازل ہوئی۔

سببِ نزول بیان کرنے میں اِختلاف

معلوم ہونا چاہیے کہ: سببِ نزول بیان کرنے میں "نَزَلَتْ فِيْ كَذَا" کی تعبیر اختیار کی جاتی ہے، اس لفظ کے استعمال میں متقدمین ومتأخرین کا منہج الگ الگ ہے؛ متأخرین "نَزَلَتْ فِيْ كَذَا" کو عموماً سببِ نزولِ خاص کے لیے اِستعمال فرماتے ہیں، جب کہ صحابہ وتابعین "نَزَلَتْ فِيْ كَذَا" یا "أُنْزِلَ فِيْ كَذَا" کو سببِ خاص کے علاوہ مزید پانچ جگہوں پر بھی اِستعمال فرماتے ہیں:

۱- اِستنباطِ رسول (۱): حکمِ شرعی کے اِستنباط پر نزول کا اِطلاق کرنا، جیسے: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: جب ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُوْلٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ﴾ [الانعام: ۸۲] نازل ہوئی تو صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ: ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (۲) [لقمان:۱۳] (صحيح بخاری: ٤٦٢٩)

---

(۱) استنباط مفسرین کی تعریف عن قریب آرہی ہے۔

(۲) معلوم ہونا چاہیے کہ سورۂ لقمان کی مذکورہ آیت پہلے نازل ہوچکی تھی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بطورِ استنباط کے پیش فرمایا ہے جس کو راوی نے "فَنَزَلَتْ" کہہ کر تعبیر کیا ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "گھوڑا کسی کے لیے باعثِ اجر، کسی کے لیے باعثِ ستر اور کسی کے لیے باعثِ گناہ ہوتا ہے"؛ اس موقع پر کسی صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گدھے کے متعلق دریافت کیا کہ: کیا اس میں بھی یہی تین صورتیں رہیں گی؟ ←

۲- استشہادِ رسول ① **پر نزول کا اِطلاق کرنا، جیسے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:** ''جب تم کسی آدمی کو مسجد کا عادی پاؤ تو اس کے ایمان کی گواہی دو؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ [التوبة: ١٨]. (ترمذي: عن أبي سعيد ٢٦١٧)

۳- استنباطِ صحابہ پر نزول کا اطلاق کرنا، جیسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ﴿لَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا أَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ أَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا﴾ [اٰل عمران:١٨٨] **کے بابت فرماتے ہیں:** ''إِنَّ رِجَالًا مِّنَ الْمُنَافِقِيْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ... فَنَزَلَتْ: ﴿لَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ...﴾ ② (صحيح بخاري: ٤٥٦٧)

➲ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر اس جامع منفرد آیت کے علاوہ کوئی دوسرا حکم نازل نہیں ہوا! باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ﴾ [زلزال: ٧ –٨]، (البخاري: ٢٣٧١)؛ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گدھے کے حکمِ خاص کو آیت میں مذکور حکمِ عام پر قیاس فرمایا؛ اور اس پر ''اِنزال'' کا اِطلاق فرمایا۔

① استشہاد کہتے ہیں متکلم قرآنِ مجید یا حدیثِ نبوی کے کسی حصے کو حوالہ اور صراحت کے ساتھ اپنے کلام میں شامل کرے؛ اسی کو ''استدلال'' بھی کہتے ہیں، جیسے یوں کہے: ''قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:'' یا ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: '' وغیرہ۔ (علم البدیع)

② حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا مصداق منافقین کو قرار دیا ہے، گویا کہ یہ ایک مثال ہے؛ کیوں کہ منافقین کا بھی طریقہ یہ تھا کہ: اول غزوہ میں جاتے نہ تھے، پیچھے رہنے پر خوش ہوتے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی پر آپ کے سامنے بہانے بناتے اور قسمیں کھاتے اور وہ چاہتے کہ جہاد میں شرکت نہ کرنے کے باوجود ان کی تعریف کی جائے۔ (یہ تمثُّلِ صحابہ کی مثال ہے۔)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت منافقین کے بابت نازل ہوئی ہے، حالاں کہ مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مروان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا: ”تم مسلمانوں کو اس آیت سے کیا لینا دینا! یہ آیت تو یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے“ (۱)۔

اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب: ﴿الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰئِكَ لَهُمُ الاَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ﴾ [الانعام: ۸۲] کا نزول ہوا تو حضراتِ صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: وَأَيُّنَا لَمْ يَظْلِمِ! فَنَزَلَتْ: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [لقمان:۱۳] (بخاری: ۴۶۲۹)؛ معلوم ہوا کہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شانِ نزول بیان کرنے میں استنباط سے کام لیا ہے۔

ملاحظہ: استنباط دو ہیں: استنباطِ اصولیین، استنباطِ مفسرین۔

استنباطِ اصولیین: منطوقِ کلام (معنیٔ مطابقی اور معنیٔ تضمنی) اور مفہومِ کلام (معنیٔ التزامی) کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فقط احکامِ شرعیہ کا استخراج کرنا (۲)۔

---

(۱) یعنی یہ آیت تو ان یہودیوں کے بابت نازل ہوئی ہے جنہوں نے پوچھی ہوئی بات کو چھپایا تھا اور نہ پوچھی ہوئی بات بتلائی تھی، اور پھر دکھاوا یہ کیا کہ گویا انہوں نے پوچھی ہوئی بات بتلادی ہے؛ مزید یہ کہ انہوں نے یہ چاہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا شکریہ ادا کریں، اور اس بات پر بڑے خوش ہوئے کہ: نبیٔ آخر الزماں بھی ان کی باتوں کے محتاج ہیں؛ چناں چہ ان یہودیوں کے بابت یہ آیت نازل ہوئی، گویا اس آیت کا تعلق اہلِ کتاب سے ہے، مسلمانوں سے نہیں۔ (صحیح بخاری: ۴۵۶۸)

دوسری مثال میں ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے آیتِ ثانیہ پر استنباط کرتے ہوئے ”فَنَزَلَتْ“ فرمایا ہے۔

(۲) اہلِ اصول کے نزدیک: الفاظِ قرآنیہ کے معانیٔ مطابقیہ وتضمنیہ کو بیان کرنا ”تفسیر“ کہلاتا ہے، اور معانیٔ التزامیہ کو بیان کرنا ”استنباط“ کہلاتا ہے۔ (الاستنباط عند المفسرین)

استنباطِ مفسرین: مفہومِ کلام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے احکامِ شرعیہ کے ساتھ دیگر علومِ قرآنیہ کا استخراج کرنا۔

۴- استشہادِ صحابہ پر ''نزلت فی کذا'' کو استعمال فرمانا، یعنی: صحابہ کا آپسی مناظرات و تبادلۂ خیالات میں آیتِ کریمہ کو استدلال میں پیش کرنا، جیسے بدر سے فارغ ہونے پر صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ: اب قریش کے قافلے کا بھی تعاقب کیا جائے؟ اس پر چچا عباس- جو اس وقت مشرکین کے ساتھ قید ہوئے تھے- فرمایا: ''لا یصلح''، یعنی: عیرِ قریش کا تعاقب بہتر نہ ہوگا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا تھا اور وہ پورا ہوگیا ہے؛ لہٰذا دوسرے کا تعاقب ٹھیک نہیں! باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ، وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ﴾. [الانفال: ۷]

۵- تمثلِ صحابہ پر، یعنی: حضراتِ صحابہ کبھی مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین کے جزوی واقعات کو ذکر فرما کر ''نزلت فی کذا'' فرماتے تھے اور ان کا مقصد صرف صورتِ واقعہ کا اظہار ہوتا تھا، نہ کہ آیت کا شانِ نزول بیان کرنا، جیسے: باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا، أُولٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾[1] [آل عمران: ۷۷].

---

(۱) اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ: حضرت اشعث بن قیس ؓ- جو حضرموت کے باشندے تھے- کا ایک یہودی سے زمین کا جھگڑا ہوا تھا، وہ زمین اشعث کے دادا سے اس یہودی کے دادا نے

ملاحظہ: اسی نکتے کی طرف اِشارہ فرماتے ہوئے حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ: تو اُس وقت تک مکمل فقیہ نہیں ہوسکتا جب تک الفاظِ قرآن کو وجوہ ونظائر (مشابہ ومُشاکِل معانی) کے مطابق متعدد مَحامِل پر محمول نہ کرلے (۱)۔

غصب کرلی تھی؛ اشعث نے یہ مقدمہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہ طلب کیے؛ کیوں کہ وہ مدعی تھے، جب وہ گواہ پیش نہ کرسکے تو اس پر آپ نے یہودی سے قسم کھلانی چاہی؛ اس پر حضرت اشعث نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ یہودی ہے، جھوٹی قسم کھا کر میرا مال ہڑپ کرجائے گا؛ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری: ۴۵۵۰)

اس آیت کی ایک مثال حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ نے ذکر فرمائی ہے کہ: ایک آدمی بازار میں اپنا سامان فروخت کرنے کے لیے رکھتا ہے اور یہ قسم کھاتا ہے کہ: ''مجھے اس سامان کے عوض اتنی قیمت دی گئی تھی''، حالاں کہ یہ آدمی جھوٹی قسم کھا کر دھوکہ دینا چاہتا ہے تاکہ سامنے والا مسلمان اس سامان کو خریدلے؛ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ﴾ (صحیح بخاری: ۴۵۵۱)

دوسری مثال باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا أَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ أَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا﴾ [آل عمران: ۱۸۸]، آپ ہرگز عذابِ الٰہی سے بچا ہوا خیال نہ کریں ان لوگوں کو جو اپنے کردار پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے اُس کام پر جو انہوں نے نہیں کیا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ: یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (صحیح بخاری: ۴۵۶۷) جب کہ حضرت ابنِ عباسؓ نے مروان بن الحکم کو فرمایا تھا: ''تمہارا اس آیت سے کیا تعلق ہے؟ یہ آیت تو اہلِ کتاب کے حق میں نازل ہوئی ہے''۔ (صحیح بخاری: ۴۵۶۸) درحقیقت یہی اس کا شانِ نزول بھی ہے۔ گویا حضرت ابوسعید خدریؓ نے ''فَنَزَلَتْ'' سے اس آیت کی ایک مثال بیان فرمائی ہے؛ کیوں کہ منافقین بھی جہاد کے وقت حضرت سے پیچھے رہ جاتے، اپنے پیچھے رہنے پر خوش ہوتے، پھر جب آپ آتے تو طرح طرح کے بہانے بناتے اور قسمیں کھاتے، مزید یہ کہ جہاد میں شرکت نہ کرنے کے باوجود یہ چاہتے کہ ان کی تعریف کی جائے!

(۱) ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں اُبوقلابہ عن اُبی الدرداء نقل کیا ہے کہ: ''إِنَّكَ لَنْ تَفْقَهَ كُلَّ

قاعدہ: جمہور کے نزدیک آیتِ کریمہ میں مذکور عام لفظ کی عمومیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اُس حکم کو خاص واقعے کے علاوہ دیگر اُمور میں متعدی کیا جائے گا؛ سببِ نزولِ خاص کی وجہ سے خصوصیت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، جیسے حضرت کعب بن عُجرہؓ حالتِ احرام میں جوؤں سے پریشان ہوگئے تو خاص ان کے واقعہ پر فدیہ کی آیت: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّنْ رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّنْ: صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ [البقرة: ١٩٦] نازل ہوئی۔ اس پر حضرت کعبؓ فرماتے ہیں: "فَنَزَلَتْ فِيّ خَاصّة، وَهِي لَكُمْ عَامّة"[١] (صحیح بخاری: ۴۵۱۷)۔

← الفِقْه حَتّٰى تَرَى للقُرْآنِ وُجُوْها"۔ (الزیادۃ الاحسان: ۵-۲۱۹)

① یعنی: یہ آیت تو خاص طور پر میرے واقعہ میں نازل ہوئی ہے، لیکن نص میں چوں کہ الفاظ کی عمومیت کا اعتبار ہوتا ہے، شانِ نزول کی خصوصیت کا نہیں؛ لہٰذا اس کا حکم پوری امت کے لیے ہے۔

سببِ نزول اور الفاظ کی عمومیت وخصوصیت مع احکام کے لیے نقشہ ملاحظہ ہو:

سببِ نزول
- خاص ہوگا
  - نزول الفاظِ عام میں ہوا ہو ①
  - نزول الفاظِ خاص میں ہوا ہو ②
- عام ہوگا
  - عمومیت پر محمول کیا جائے گا

[۱] اگر عمومیت پر دلیل ہو تو بالاجماع حکم متعدی ہوگا؛ اور عمومیت پر دلیل نہ ہونے کی صورت میں جمہور کے نزدیک "العِبرةُ بعُمُوْم اللَّفْظ، لا بخُصوْص السَّبَب" کے پیشِ نظر حکم متعدی ہوگا۔

[۲] اگر فردِ معین کا نام یا صفات ہوں تو اس کے ساتھ حکم خاص ہوگا؛ اور اگر جماعتِ مخصوصہ کی صفات مذکور ہوں تو ان کے ساتھ حکم خاص ہوگا۔

بحث دوم
در تعیین نسخ

نسخ کی تعین میں اختلاف

نسخ کی تعیین میں بھی متقدمین اور اُصولیین کے درمیان اختلاف ہے؛ لہٰذا اس لفظ کے اِطلاق میں بھی بہ کثرت اختلاف پایا جاتا ہے۔

اہلِ اُصول کے نزدیک نسخ: بعد میں وارد ہونے والی دلیلِ شرعی سے پہلے والے کسی حکمِ شرعی کا اس طرح منتہی ہوجانا کہ: اب اس پر عمل کا جواز باقی نہ رہے۔

متقدمین کے نزدیک نسخ: متقدمین نسخ کو اس کے لغوی معنیٰ: "إِزَالَةُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ" میں استعمال فرماتے تھے، یعنی: ایک آیت کے بعض اَوصاف کو دوسری آیت کے ذریعے زائل کرنا مٹا دینا؛ لہٰذا متقدمین کے یہاں مندرجۂ ذیل صورتوں میں بھی نسخ کا اِطلاق ہوگا:

۱- مدتِ عمل کی اِنتہا کو بیان کرنے کے ذریعے ہو، جیسے آیتِ نساء ۱۵ ﴿وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الفَاحِشَةَ مِنْ نِسَآءِكُمْ فَامْسِكُوْهُنَّ فِيْ البُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا﴾ منسوخ ہے آیتِ نور ۲: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ سے؛ کیوں کہ آیتِ نور کے نزول پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خُذُوْا عَنِّيْ! فَقَدْ جَعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا"[1]۔

---

[1] جامع ترمذی: ۱۴۳۴؛ تفصیل "آیاتِ منسوخہ" میں ملاحظہ ہو۔

۲-کلام کو معنئ متبادر سے معنئ غیر متبادر کی طرف پھیرنے کے ذریعے ہو، جیسے آیتِ بقرہ: ۱۸۷﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ "مِنَ الْفَجْرِ"﴾ میں: ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ نے "خیطِ اَبیض" اور "خیطِ اَسود" کے معنئ متبادر (سیاہ وسفید دھاگا) کے احتمال کو ختم کر کے خیطِ اَبیض سے بیاضِ نہار (دِن کا اُجالا) اور خیطِ اَسود سے سوادِ لیل (رات کا اَندھیرا) کے اِحتمال کو طے کر دیا①۔

۳-کسی قید کے قیدِ اتفاقی ہونے کو بیان کرنے کے ذریعے ہو، جیسے: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ "اِنْ خِفْتُمْ" اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾② [النساء: ۱۰۱]، میں ﴿اِنْ خِفْتُمْ﴾

① حضرت سہل بن سعدؓ نے فرمایا کہ: ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا ... مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ تک نازل کی گئی اور ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ نازل نہیں کیا گیا تھا، اور کچھ لوگ جب وہ روزہ رکھنے کا ارادہ کرتے تو ان میں سے ایک اپنے دونوں پیروں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لیتا اور برابر کھاتا رہتا، یہاں تک کہ دونوں خوب واضح طور پر نظر آجاتے (یعنی: اِسفار تک کھانا پینا جائز تھا)؛ پھر جب ﴿من الفجر﴾ نازل کیا گیا، تب لوگوں نے جانا کہ: آیت میں رات کا دن سے واضح ہونا مراد ہے۔ (صحیح بخاری: ۴۵۱۱)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: امام طحاوی اور داؤدی کے رجحان کے مطابق ﴿من الفجر﴾ کے نزول کے بعد اِسفار کا حکم منسوخ ہو گیا۔

② یعنی: جب تم جہاد وغیرہ کے لیے سفر کرو اور کافروں سے-جو کہ تمہارے صریح دشمن ہیں-اس کا خوف ہو کہ وہ موقع پا کر ستائیں گے، تو نماز کو مختصر رکھو، یعنی: جو نماز حضر میں چار رکعت کی ہو اس کی دو رکعت پڑھو۔ (فوائد عثمانی)

کی قید کے بابت یعلیٰ بن امیہ نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے پوچھا کہ: حالتِ سفر میں نماز میں قصر کا حکم حالتِ خوف میں تھا؟ اور خوف کی حالت باقی نہیں رہی؟

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: مجھے بھی یہی اعتراض ہوا تھا، پھر میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا: "صَدَقَة تَصَدَّق الله بِهَا عَلَيْكُمْ، فَاقْبَلُوا صَدَقَتَه"[1]. (صحيح مسلم: ٦٨٦)

۴-حکمِ عام کی تخصیص کے ذریعے ہو، جیسے آیتِ بقرہ: ۲۸۴ ﴿اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ سے بے اختیار دل میں آنے والے خیالات پر بھی محاسبہ کا حکم معلوم ہوتا ہے؛ اس حکم کی عمومیت کو آیتِ بقرہ: ۲۸۶: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ نے خاص کر لیا[2]۔

۵-حکمِ منصوص اور حکمِ اِستنباطی کے درمیان وجہِ فرق بیان کرنے کے ذریعے ہو، جیسے آیت آل عمران: ۱۰۲: ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهِ﴾ سے صحابہ سمجھے کہ: کما حقہ ڈرنا تو اس طور پر ہوگا کہ اِطاعت کے بعد معصیت نہ ہو اور ذکر کے بعد غفلت اور نسیان نہ ہو؛ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بابت دریافت فرمایا، اس کے بعد آیتِ تغابن: ۱۶ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ کے ذریعے بتلایا گیا کہ: انسان کو جس تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے وہ اُس کی اِستطاعت کے مطابق ہے۔

---

[1] یعنی: حالتِ سفر میں قصر کا حکم باری تعالیٰ کی طرف سے ایک اِنعام ہے، تم اس کو قبول کرلو؛ اس سے معلوم ہوا کہ: ﴿اِنْ خِفْتُمْ﴾ کی قید قیدِ اتفاقی تھی نہ کہ احترازی۔

[2] اس کی تفصیل "آیاتِ منسوخہ" کے ضمن میں ملاحظہ ہو۔

٦- جاہلی رَسموں میں سے کسی رسم کومٹانے کے ذریعے ہو، جیسے آیت نساء:٣: ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ [النساء: ٣]،زمانۂ جاہلیت میں بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی؛ چناں چہ شریعتِ مطہرہ نے اِس آیت سے زیادہ سے زیادہ کی حد چار مقرر فرمادی۔

٧-سابقہ شرائع میں سے کسی شریعت کواُٹھانے کے ذریعے ہو، جیسے قتلِ عمد کی سزا بنی اِسرائیل میں صِرف قصاص تھی، دِیت کا حکم اُن میں نہ تھا؛لیکن شریعتِ محمدیہ میں آیت بقرہ:١٧٨: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى... فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ﴾ میں ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ کے ذریعے اگلی شریعت کے حکم کومنسوخ کردیا گیا[١]۔

(١) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ مِمّا كُتِبَ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُم، (صحیح بخاری:٤٤٩٨)،یعنی:یہ حکم اگلی شرائع کے لیے ناسخ ہے؛ کیوں کہ تورات میں قتلِ عمد کے بارے میں صرف قصاص کا حکم تھا،انجیل میں صرف عفو کا حکم تھا اور امتِ محمدیہ کے حق میں حکم میں آسانی فرماتے ہوئے تین چیزوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا گیا تھا: قصاص، دیت بطریق المصالحت اور بلا معاوضہ معاف کردینا۔(قسطلانی)

خلف کے نزدیک آیاتِ منسوخہ

مذکورہ بالا تقریر سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ: متقدمین کے یہاں ’’نسخ‘‘ کا دائرہ بڑا وسیع ہے، اِسی وجہ سے متقدمین کے نزدیک آیاتِ منسوخہ کی تعداد پانچ سو، بلکہ اس سے بھی متجاوز ہے؛ جب کہ حضراتِ متأخرین کے نزدیک آیاتِ منسوخہ کی تعداد بہت کم ہے، جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے ابن عربی مالکی کی رائے سے اِتفاق کرتے ہوئے آیاتِ منسوخہ کی تعداد اکیس بتلائی ہے جو حسبِ ذیل ہے[١]۔

● ١- آیتِ وصیت: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ [البقرۃ: ١٨٠] **منسوخ ہے آیتِ میراث سے:** ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾[٢] [النساء: ١١- ١٢].

---

[١] اس پر مزے کی بات یہ ہے کہ: حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ’’الفوز الکبیر‘‘ میں علامہ سیوطی کی ذکر کردہ آیاتِ منسوخہ پر گرفت کرتے ہوئے بہترین تبصرہ فرمایا ہے، نتیجۃً حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک آیاتِ منسوخہ کی تعداد صرف پانچ رہ گئی ہے؛ اس کے بعد حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمہ اللہ (سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند) کی رائے کے مطابق تو ایک بھی آیت منسوخ نہیں رہتی۔ تفصیل کے لیے ’’الفوز الکبیر‘‘، ’’العون الکبیر‘‘ اور ’’الخیر الکثیر‘‘ ملاحظہ ہو۔

ملاحظہ: جن آیات کے شروع میں (●) کا نشان لگا ہوا ہے یہ نشانی ہے کہ: حضرت شاہ صاحب مذکورہ آیت میں نسخ کے قائل ہیں؛ ایسے مواقع میں حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ کا رجحان ذکر فرمایا گیا ہے۔

[٢] حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ کے نزدیک آیتِ وصیت کی مشہور تفسیر کو رد کیے بغیر آیتِ میراث اور آیتِ وصیت کے درمیان اس طرح بھی تطبیق دے سکتے ہیں کہ جب مرنے والے کو ڈر ہو کہ ⬅

۲- آیتِ فدیہ: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْن﴾ [البقرة: ١٨٤]، میں روزہ رکھنے کا اختیار منسوخ ہے آیتِ فرضیت صوم سے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (۱) [البقرة: ١٨٥].

۳- رمضان کی راتوں میں ایک مرتبہ سو جانے کے بعد کھانے پینے اور مجامعت کی حرمت کا حکم: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [البقرة: ١٨٣] منسوخ ہے باری تعالیٰ کے اس فرمان سے: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَاءِكُمْ﴾ (۲) [البقرة: ١٨٧].

۴- حرمتِ قتال در اشہر حرم: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ، قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْر﴾ [البقرة: ٢١٧] منسوخ ہے اِباحتِ قتال در اشہر حرم کے حکم سے: ﴿قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً﴾ (۳) [التوبة: ٣٦].

← اس کی اولاد شرعی طور پر ترکہ تقسیم نہ کرے گی، ایسے وقت میں مرنے والے پر ضروری ہے کہ وہ وارثین کے لیے اُن کے شرعی حصوں کے مطابق وصیت کر جائے۔

(۱) کبارِ صحابہ اور محققین علماء کے نزدیک پہلی آیت محکم ہے اور فدیہ کا حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت تو رکھتے ہیں؛ لیکن کبرِ سنی کی وجہ سے روزہ رکھنا نہایت دشوار ہو اور ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس کے ذمہ فدیہ (ایک مسکین کو کھانا کھلانا) ہے۔

(۲) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: "پہلی آیت محکم ہے، اور ﴿كَمَا كُتِبَ﴾ میں صرف فرضیت میں تشبیہ دینا مقصود ہے؛ حکم (یعنی: اگلوں پر ایک مرتبہ سو جانے کے بعد کھانا پینا اور صحبت کرنا حرام تھا) میں تشبیہ دینا مقصود نہیں۔

(۳) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: "پہلی آیت محکم ہے اور وہ اشہرِ حرم میں قتال کے ←

۵-شوہر پر عورت کے لیے ایک سال تک سکنیٰ کی وصیت کا حکم: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ [البقرة: ٢٤٠] **منسوخ ہے آیتِ عدت سے:** ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾[1] [البقرة: ٢٣٤].

٦-غیر اختیاری طور پر دِل میں آنے والے بُرے خیالات پر محاسبہ کا حکم: ﴿إِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ [البقرة:٢٨٤] **منسوخ ہے باری تعالیٰ کے اس فرمان سے:** ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَهَا﴾[2] [البقرة: ٢٨٦].

۷-باری تعالیٰ سے کما حقہ ڈرنے کا حکم: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

⟵ حرام ہونے پر نہیں، بلکہ قتال کے جواز پر دلالت کرتی ہے''؛ کیوں کہ اشہرِ حرم میں قتال کرنا اگر چہ بڑا گناہ ہے؛ لیکن فتنہ پردازی اس سے بھی بڑھ کر ہے؛ لہٰذا فتنہ کو ختم کرنے کے لیے اشہرِ حرم میں قتال کرنا حرام نہیں؛ بلکہ جائز ہے؛ تفصیل عن قریب آیت نمبر گیارہ کے ضمن میں آرہی ہے۔

(١) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: (ضرورت کے موقع پر) شوہر عورت کے لیے ایک سال تک سکنیٰ کی وصیت کرسکتا ہے، ہاں! عورت پر سال پورا کرنا ضروری نہیں، اگر اس کے دوسرے نکاح کا انتظام ہوجائے تو وہ جاسکتی ہے (صحیح بخاری)۔

(٢) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: یہ آیت محکم ہے اور بعد والی آیت نے پہلی آیت کے عموم میں تخصیص پیدا کی ہے یعنی: پہلی آیت کے ﴿مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ﴾ میں غیر اختیاری طور پر دل میں آنے والے برے خیالات مراد نہیں؛ بلکہ اخلاص اور نفاق مراد ہے؛ کیوں کہ انسان کو اسی بات کا مکلف بنایا جاتا ہے جو اس کی قدرت میں ہو۔

حَقَّ تُقَاتِهٖ﴾ [آل عمران: ١٠٢] **منسوخ ہے باری تعالیٰ کے اس فرمان سے:**
﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾(١) [التغابن: ١٦].

٨-عقدِ موالات والوں کے لیے وراثت کا حکم: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُوْنَ، "وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ"﴾ [النساء: ٣٣] **منسوخ ہے آیتِ میراث سے:** ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾(٢) [الأنفال: ٧٥].

٩-تقسیمِ ترکہ سے پہلے یتیموں اور محتاجوں پر خرچ کا حکم: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوْ الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ، وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾[النساء: ٨] **منسوخ ہے آیتِ میراث سے:** ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ﴾(٣) [النساء: ١١].

---

(١) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: پہلی آیت محکم ہے، اور دونوں آیتوں کا مصداق الگ الگ ہے؛ چناں چہ ﴿حَقَّ تُقَاتِهٖ﴾ یعنی: کامل طور پر ڈرنے کا تعلق معتقدات (کفر وشرک وغیرہ عقائدِ باطلہ) سے ہے اور بقدرِ استطاعت ڈرنے کا حکم اعمال سے متعلق ہے، یعنی: اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھیں۔

(٢) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: آیتِ نساء محکم ہے، اور اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ: میراث تو قریبی رشتہ داروں ہی کا حق ہے؛ البتہ وہ منہ بولے بھائی جن سے تم نے عقدِ موالات کر رکھا ہے، (زندگی میں) ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کرتے رہو (اور مرتے وقت ان کے لیے کچھ وصیت کر جاؤ!)۔

(٣) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: "حضرت ابنِ عباسؓ کے نزدیک آیتِ نساء محکم ہے، اور آیت کا حکم استحبابی ہے، وجوبی نہیں"؛ یعنی: یہ حکم آج بھی ہے کہ: تقسیمِ میراث کے وقت برادری اور کنبہ ←

• ١٠- زنا کار عورتوں کا حکم: ﴿وَالّٰتِيْ يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَاءِكُمْ ... فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا﴾ [النساء: ١٥] منسوخ ہے آیتِ نور میں مذکور حدِّ زنا کے حکم سے: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾[١] [النور: ٢].

١١- حرمتِ قتال در اشہر حرم کا حکم: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَائِرَ اللهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ [المائدة: ٢] منسوخ ہے اباحتِ قتال در اشہرِ حرم کے حکم سے، مثلاً: ﴿قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً﴾[٢] [التوبة: ٣٦].

کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا، یا جو یتیم اور محتاج ہوں اُن کو کچھ کھلا کر رُخصت کرو! یا کوئی چیز ترکہ میں سے حسبِ موقع اُن کو بھی دے دو! کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے۔

اور اگر مالِ میراث میں سے کھلانے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو، مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو اُن لوگوں سے معقول بات کہہ کر رُخصت کردو! یعنی: نرمی سے عذر کردو کہ: یہ مال یتیموں کا ہے، اور میت نے وصیت بھی نہیں کی! اس لیے ہم دینے سے مجبور ہیں۔ (فوائد عثمانی بزیادة يسيرة)

[١] حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: آیتِ نساء کا حکم ایک وقتِ مقررہ تک تھا، جب وہ وقت پورا ہوگیا تو حکم بھی اپنی انتہاء کو پہنچ گیا، اور متأخرین کے نزدیک حکمِ مطلق کی انتہاء بیان کرنا نسخ کہلاتا ہے، نہ کہ حکمِ موقّت کی انتہاء بیان کرنا۔

حضرت مفتی سعید صاحبؒ کے فرمان کے مطابق جب مسلمانوں کے پاس اقتدار نہ ہو اور وہ حدود جاری نہ کرسکیں ایسے وقت میں آیتِ نساء پر عمل کرنا واجب ہوگا؛ گویا یہ آیت اب بھی محکم ہے۔

[٢] حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: ''آیتِ مائدہ محکم ہے''، اور مطلب یہ ہے کہ: ادب والے مہینے چار ہیں، ﴿مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ [التوبة: ٣٦] ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب؛ ان کی تعظیم واحترام یہ ہے کہ: دوسرے مہینوں سے بڑھ کر اُن میں نیکی اور تقوی کو لازم پکڑے! اور شر وفساد سے بچنے کا اہتمام کیا جائے، خصوصاً حجاج کو ستا کر اور دِق کر کے حجِ بیت اللہ سے نہ روکا جائے۔

١٢- ذمیوں کے باہمی معاملات میں حاکم کو فیصلہ کرنے میں اختیار کا حکم:
﴿فَإِنْ جَاءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ، أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ [المائدة: ٤٢]، **منسوخ ہے حکم خداوندی کے مطابق فیصلہ کرنے کے حکم سے:** ﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (١) [المائدة: ٤٩].

١٣- غیر مسلم کی گواہی کے اعتبار کا حکم: ﴿شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ "أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ"﴾ [المائدة: ١٠٦] **میں** ﴿أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ **منسوخ ہے عادل کی گواہی کے حکم سے:** ﴿وَأَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (٢) [الطلاق: ٢].

⟵ گویا یہ امور سال کے بارہ مہینوں میں واجب العمل ہیں؛ لیکن ان محترم مہینوں میں بالخصوص بہت زیادہ مؤکد قرار دیے گئے؛ لہٰذا بہتر ہے کہ: اگر کوئی کافر ان مہینوں کا ادب کرے تو ہم بھی اس سے لڑائی کی ابتدا نہ کریں، جیسا کہ حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا: "إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا".

باقی دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں جارحانہ اقدام، تو جمہور کا مذہب یہ ہی ہے؛ بلکہ ابن جریر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ: اس (قتل وقتال) کی ان مہینوں میں ممانعت نہیں رہی۔ (فوائد عثمانی بزیادۃ)

(١) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ کو ذمیوں کے باہمی معاملات کے بابت فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا کہ: اگر آپ چاہیں تو ذمیوں کو اجازت دیں کہ وہ اپنے معاملات اپنے مذہبی پیشواؤں کے پاس لے جائیں، اور وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کریں؛ اور اگر آپ چاہیں تو ان کے باہمی معاملات میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کریں؛ ہاں! جب آپ فیصلہ کریں گے تو قانونِ الٰہی کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔

(٢) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: آیتِ مائدہ میں "مِنْ غَيْرِكُمْ" میں: "مِنْ غَيْرِ أَقَارِبِكُمْ"، مراد ہے، نہ کہ: "مِنْ غَيْرِ الْمُسْلِمِيْنَ"؛ انتہیٰ کلامہ، یعنی: ان مسلمانوں کو گواہ بنانا مراد ⟵

● ١٤- **مسلمانوں سے دس گنا زائد کافروں کے مقابلے میں ڈٹے رہنے کا حکم:**
﴿إِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾ [الأنفال: ٦٥]
منسوخ ہے باری تعالیٰ کے اس فرمان سے: ﴿اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا، فَإِنْ يَّكُنْ مِنْكُمْ مِاۃٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾ (١)
[الأنفال: ٦٦].

١٥- **آیتِ براءت میں قتال کے حکم کی عمومیت:** ﴿إِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالاً وَّجَاهِدُوْا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ﴾ [التوبة: ٤١] **منسوخ ہے آیاتِ عذر سے:** ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمىٰ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ﴾ [الفتح: ١٧]، ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ﴾ (٢) [التوبة: ٩١- ٩٢].

⇐ لیں گے جو موصی کے رشتہ دار نہ ہو، نہ کہ غیر مسلم گواہوں کو؛ لہٰذا اس صورت میں آیتِ مائدہ محکم ہوگی۔
ملاحظہ: آیتِ مائدہ میں شہادت سے وصیت مراد ہے، اس کے اقرار و اظہار کو گواہی سے تعبیر فرمایا ہے۔

(١) حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ کے فرمان کے مطابق: ابتدا میں جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس وقت مسلمانوں کو اپنے سے دس گنا کافروں کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کا حکم دیا گیا تھا؛ لیکن جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اس حکم میں تخفیف فرما کر اپنے دو گنے کافروں کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کا حکم دیا گیا؛ لہٰذا خدانخواستہ اسلام کا حال دوبارہ ایسا ہی ہو جائے جیسا ابتدا میں تھا تو مسلمانوں کو اپنے سے دس گنا کافروں کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا ضروری ہوگا۔

(٢) شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: پہلی آیت میں ﴿خِفَافًا﴾ ''ہلکے'' ہونے سے تندرست، جوان اور قوی کو مراد لینا، نیز ﴿ثِقَالًا﴾: ''بوجھل'' ہونے سے بیمار، بوڑھے اور کمزور کو مراد لینا طے نہیں؛ بلکہ: ﴿خِفَافًا﴾ سے مراد سواری وغیرہ ساز و سامان کے کم ہونے کی حالت، اور: ﴿ثِقَالًا﴾ سے مراد ⇐

١٦- **پاک دامن عورت سے زنا کار کے نکاح کی حرمت:** ﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ إِلاَّ زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [النور: ٣] **منسوخ ہے باری تعالیٰ کے اس فرمان سے:** ﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ﴾(١) [النور:٣٢].

١٧- **دوسرے کے گھر میں داخلے کے وقت استیذان کا حکم:** ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ﴾(٢) [النور: ٥٨] **منسوخ ہے۔**

- ١٨- ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ﴾ [الأحزاب: ٥٢] **منسوخ ہے باری تعالیٰ کے اس فرمان سے:** ﴿يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الّٰتِيْ آتَيْتَ أُجُوْرَهُنَّ﴾(٣) [الأحزاب:٥٠].

⇐ بھرپور ساز وسامان کی حالت بھی مراد لے سکتے ہیں، گویا ان دونوں حالات میں تم جہاد کے لیے نکلو! یا پھر آیتِ توبہ کا حکم نفیر کی صورت میں ہے؛ کیوں کے نفیر عام کے وقت کوئی عذر معتبر نہیں ہوتا۔

(١) شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: دوسری آیت میں نکاح کا حکم عام ہے جو پہلی آیت کے حکمِ خاص کو منسوخ نہیں کرتا؛ لہٰذا اگرچہ زانی اور زانیہ کا نکاح پاکدامن مرد وعورت سے-سوائے امام احمد بن حنبل کے- جائز ضرور ہے؛ لیکن بہتر نہیں؛ اور ﴿حُرِّمَ ذٰلِكَ﴾ میں تحریم کا اشارہ زنا اور شرک کی طرف ہے، نہ کہ نکاحِ زانی وزانیہ کی طرف۔

(٢) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: آیتِ نور محکم ہے؛ لیکن لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں۔

(٣) حضرت شاہ صاحب آیتِ احزاب: ٥٢ کو آیت: ٥٠ سے منسوخ مانتے ہیں اور ⇐

• **۱۹- آپ ﷺ سے سرہوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم:** ﴿إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰكُمْ صَدَقَةً﴾ [المجادلة: ۱۲] **منسوخ ہے باری تعالیٰ کے اس فرمان سے:** ﴿ءَأَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰكُمْ صَدَقٰتٍ﴾(۱) [المجادلة: ۱۳].

۲۰- مصالحتِ کفار کا حکم: ﴿إِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا أَنْفَقُوْا﴾ [الممتحنة: ۱۱] **منسوخ ہے آیتِ سیف:** ﴿قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً﴾ [التوبة:۳۶] **اور آیتِ غنیمت:** ﴿وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ

⊃ فرماتے ہیں کہ: ناسخ کا نزول میں مؤخر ہونا ضروری ہے، تلاوت میں مؤخر ہونا ضروری نہیں۔

جمہور مفسرین کے نزدیک آیتِ احزاب: ۵۲ محکم ہے، اور ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ: جتنی عورتیں آپ کے لیے ﴿إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ﴾ [الأحزاب: ۵۰] میں حلال فرمادی گئی ہیں ان کے بعد دیگر عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں رہی، جیسا کہ آگے آرہا ہے؛ نیز جو عورتیں آیت: ۵۲ کے نزول کے وقت نکاح میں تھیں ان کو بدلنا بھی جائز نہ رہا۔

آپ کے لیے حلال کردہ وہ عورتیں یہ تھی: ۱- وہ عورتیں جن کو آپ مہر دے چکے ہیں، ۲- وہ باندیاں جو آپ کے ہاتھ لگی تھیں، ۳- آپ کے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی وہ بیٹیاں جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی، ۴- وہ عورتیں جو اپنی جان آپ ﷺ کو بخش دیں۔

(۱) شاہ صاحب بھی پہلی آیت کو منسوخ مانتے ہیں اور جمہور مفسرین کی بھی یہی رائے ہے؛ لیکن حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: یہاں حکم کے وصف کی تبدیلی ہے، یعنی: پہلے حضرت سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کا حکم وجوبی تھا اب وجوب ختم کرکے استحباب باقی رکھا گیا ہے؛ لہٰذا پہلی آیت متأخرین کی اصطلاح کے مطابق محکم ہے، متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے منسوخ ہے۔

شَيْءٍ ﴾(۱) [الأنفال:٤١].

۲۱-تہجد کی فرضیت کا حکم: ﴿يٰأَيُّهَا الْمُزَمِّلُ، قُمِ اللَّيْلَ إِلاَّ قَلِيْلاً﴾ [المزمل:١ - ٢] **منسوخ ہے آیتِ مزمل: ۲۰ سے:** ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن﴾(۲) [المزمل:٢٠]، **پھر جب پانچ نمازوں کا حکم ہوا تب آیتِ مزمل: ۲۰ بھی منسوخ ہوگئی۔**

---

(۱) حضرت شاہ صاحب کے فرمان کے مطابق چوں کہ پہلی آیت کا نزول صلحِ حدیبیہ کی مصالحت کے دوران ہوا تھا؛ لہٰذا اس آیت پر اس وقت عمل کیا جائے گا جب کافروں کا غلبہ ہو اور مسلمانوں نے ان سے صلح کی ہو۔

ملاحظہ: آیتِ ممتحنہ کی تفسیر کتبِ تفاسیر میں دیکھ لی جائے۔

(۲) حضرت شاہ کے فرمان کے مطابق: پانچ نمازوں کی فرضیت سے تہجد کی مشروعیت منسوخ نہیں ہوئی، نیز یہاں حکم کے وصف کی تبدیلی ہے، یعنی: آیتِ مزمل: ۲ میں قیامِ لیل کے استحباب کا تاکیدی حکم تھا، پھر آیت: ۲۰ سے قیامِ لیل کی تاکید کو ختم فرما کر صرف استحباب کو باقی رکھا گیا؛ لہٰذا سورۂ مزمل کی دونوں آیات متأخرین کی اصطلاح کے مطابق محکم ہیں۔

نسخ کی اَقسامِ اَربعہ

نسخ کی چار قسمیں ہیں: نسخ القرآن بالقرآن، نسخ القرآن بالسنۃ، نسخ السنۃ بالسنۃ، نسخ السنۃ بالقرآن۔

۱- نسخ القرآن بالقرآن: قرآنِ مجید کی ایک آیت کا دوسری آیت کے حکم کو منسوخ کرنا؛ یہ قسم بالکل جائز ہے، معتمد حضرات کا اِس پر اِتفاق ہے، جیسے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ﴾[1] [البقرة: ٢٤٠]؛ اس آیت میں "متوفی عنہا زوجہا" کے لیے ایک سال کی عدت گذارنے کا حکم باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ [البقرة: ٢٣٤] کی وجہ سے منسوخ ہو چکا ہے[2]۔

۲- سنتِ رسول کا کسی آیتِ کریمہ کے حکم کو منسوخ کرنا؛ نسخ کی اِس قسم میں

---

[1] یہ حکم اول تھا، اس کے بعد جب آیتِ میراث نازل ہوئی اور عورتوں کا حصہ بھی مقرر ہو چکا، ادھر عورت کی عدت چار مہینے دس دن کی ٹھہرا دی گئی، تب سے اس آیت کا حکم موقوف ہوا۔ (فوائد عثمانی)

[2] نسخ کی پھر دو قسمیں ہیں: نسخ فی الشرائع، نسخ فی الشریعۃ۔

نسخ فی الشرائع: یعنی مقدم شریعت کو یا اس کے کسی حکم کو مؤخر شریعت کے ذریعے منسوخ کرنا؛ یہود اپنے مذہبِ یہودیت کی ابدیت ثابت کرنے کے لیے اس نسخ کا انکار کرتے ہیں۔

ملاحظہ: یہود شریعتِ ابراہیمی کو شریعتِ موسوی سے تو منسوخ مانتے ہیں؛ لیکن شریعتِ موسوی کو شریعتِ محمدی سے منسوخ نہیں مانتے۔

تفصیل اور اِختلاف ہے:

تفصیل یہ ہے کہ: نسخ القرآن بالسنۃ الآحاد جمہور کے نزدیک ناجائز ہے؛ ہاں نسخ القرآن بالسنۃ المتواترہ حضرت امام شافعیؒ کے علاوہ ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے، دلیل باری تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾[1] [النجم: ۳].

جب کہ حضرت اِمام شافعیؒ، امام احمد کی ایک روایت میں اور اہلِ ظاہر کے نزدیک نسخ کی یہ قسم صحیح نہیں ہے، باری تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا﴾[2] [البقرۃ: ۱۰۶] کی وجہ سے؛ کیوں کہ سنّتِ رسول قرآنِ مجید کے مقابلہ میں بہتر یا اس کے ہم پلّہ نہیں ہوسکتی ہے۔

۳- نسخ السُّنّہ بالسنہ: ایک حدیثِ رسول کا دوسری حدیثِ رسول کے لیے

نسخ فی الشریعۃ: یعنی شریعتِ اسلامیہ کے ایک حکم کو دوسرے حکم سے منسوخ کرنا؛ مشرکین کا اعتراض نسخ فی الشریعۃ پر تھا کہ: یہ کیا بات ہوئی کہ اللہ تعالیٰ آج ایک حکم دیتے ہیں، پھر کل اس کو بدل دیتے تھے! (تحفۃ القاری ملخصا)

(۱) یعنی: ایک حرف بھی آپ کے دہنِ مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو خواہشِ نفس پر مبنی ہو؛ بلکہ آپ جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے؛ اُس میں وحیٔ متلو کو ''قرآن'' اور وحیِ غیر متلو کو ''حدیث'' کہا جاتا ہے۔ (فوائد عثمانی)

(۲) یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں، اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اُس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ تھی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''عیب نہ پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں؛ لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے اس وقت وہی مناسب تھا اور اب دوسرا حکم مناسب ہے۔

ناسخ ہونا؛اس کی چار صورتیں ہیں: نسخ المتواتر بالمتواتر، نسخ الآحاد بالآحاد، نسخ الآحاد بالمتواتر اور نسخ المتواتر بالآحاد۔

ان میں سے نسخ کی پہلی تین صورتیں بالکل جائز ہیں؛ جب کہ چوتھی صورت جمہور کے نزدیک ناجائز ہے۔

۴-نسخ السنہ بالقرآن: قرآن مجید کی کسی آیت کا سنتِ رسول کے حکم کے لیے ناسخ ہونا؛ پہلی قسم کی طرح نسخ کی یہ قسم بھی جمہور کے نزدیک جائز ہے، جیسے صومِ عاشوراء کا وجوب باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾[۱] [التوبة: ۱۸۵] کی وجہ سے منسوخ ہے۔

نسخ کی تین صورتیں

آیتِ منسوخہ کو دیکھتے ہوئے نسخ کی تین صورتیں ہیں:

۱-وہ آیتِ کریمہ جس کی تلاوت اور اُس کا حکم دونوں منسوخ ہو چکا ہو، اس کی مثال: حدیثِ عائشہ ہے، فرماتی ہیں: كَانَ فِيمَا أُنْزِل فِيْ القُرْآن عَشْرَ رَضَعَات محرِّمات، فنُسِخْن بخمسٍ؛ دیکھئے! یہاں تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہے۔

۲-وہ آیتِ کریمہ جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی ہو؛ لیکن اس کا حکم باقی ہو،

---

[۱] یعنی: جب اس ماہِ مبارک کے فضائلِ مخصوصہ عظیمہ تم کو معلوم ہو چکے تو اب جس کسی کو یہ مہینہ ملے اس کو روزہ ضرور رکھنا چاہیے، اور بغرضِ سہولت ابتدا میں جو فدیہ کی اجازت برائے چندے دی گئی تھی وہ موقوف ہوگئی۔

جیسے: ”الشَّيْخُ وَالشَّيْخَة إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْها البَتَّةَ“①.

۳- وہ آیتِ کریمہ جس کی تلاوت باقی ہو؛ لیکن حکم منسوخ ہوگیا ہو، جیسے علامہ سیوطیؒ اور حضرت شاہ صاحب کی ذکر کردہ آیاتِ منسوخہ، مثلاً: حکمِ میراث سے پہلے شریعتِ مطہرہ میں والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کا حکم تھا، پھر جب وراثت کا حکم آ گیا تو وصیت کا حکم منسوخ ہو چکا۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ المَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالاَقْرَبِيْنَ بِالمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة: ۱۸۰]، باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الاُنْثَيَيْنِ﴾ [النساء: ۱۱ - ۱۲] کی وجہ سے منسوخ ہے۔

ناقابلِ نسخ آیاتِ قرآنیہ

معلوم ہونا چاہیے کہ: نسخ صرف اَحکام یعنی اَوامر ونواہی میں ہی ہوتا ہے، چاہے وہ اَوامر ونواہی بصیغۂ اَمر ونہی ہوں یا بصیغۂ اِخبار؛ لہٰذا مندرجۂ ذیل اُمور میں نسخ کبھی نہ ہوگا:

① منسوخ آیتیں جو بھلا دی گئیں ان کو پڑھنے کا سوال ہی نہیں؛ لیکن بعض منسوخ آیتیں صحابہ کو یاد تھیں، جیسے: ”الشَّيْخ وَالشَّيْخَة“، حضرت ابی بن کعبؓ ان کو بھی ان کی جگہ پڑھتے تھے، اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: ”ابی بن کعب ہم میں سب سے بہتر قاری ہیں، اور ہم میں قضا کے ماہر حضرت علیؓ ہیں، اور ہم ابی کی بعض قراءات کو چھوڑ دیتے ہیں“؛ حضرت ابیؓ فرماتے تھے: میں کوئی آیت نہیں چھوڑوں گا جس کو میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہو۔ (صحیح بخاری: ۴۴۸۱)

۱- اَخبارِ ماضیہ میں نسخ نہ ہوگا، ورنہ -العیاذ باللہ- اللہ تبارک وتعالیٰ کا کاذِب ہونا لازم آئے گا، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ [النساء: ٨٧].

۲- ذاتِ باری، صفاتِ باری، اَنبیا ورُسل اور روزِ قیامت کے اَحوال سے متعلق آیات منسوخ نہیں ہوسکتیں؛ کیوں کہ عقائد ہر زمانے میں ایک ہی رہے ہیں۔

۳-عبادات ومعاملات سے متعلق اُصولی اور بنیادی اَحکام میں نسخ نہیں ہوتا؛ کیوں کہ تمام شریعتوں کے اُصول متفق رہے ہیں، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ، فَلَايُنَازِعُنَّكَ فِيْ الاَمْرِ وَادْعُ إِلىٰ رَبِّكَ﴾[1] [الحج:٦٧].

---

[1] تمام اَنبیا اُصولِ دین (بنیادی عقائد) میں متفق رہے ہیں؛ البتہ ہر امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بندگی کی صورتیں مختلف زمانوں میں مختلف مقرر کی ہیں۔

بحث سوم

درشرح غریب

شرحِ غریب القرآن

معلوم ہونا چاہیے کہ: قرآن مجید کا کوئی جملہ وکلام اَسالیبِ عرب کے علاوہ کسی اور اُسلوبِ عجم پر نہیں ہے، اِس پر تمام علُما کا اِتفاق ہے؛ ہاں عجمی کلمات کے اِستعمال کی بابت اِختلاف ہے۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ: قرآن مجید میں کچھ وہ عجمی کلمات مذکور ہیں جو کمی زیادتی وغیرہ کرنے کے بعد عربی زبان میں مستعمل ہونے لگے تھے، جن کو ''معرَّب'' کہا جاتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ کلمات توارُدِ لُغات (بلا اخذ وسماع دو زبانوں کے ہم لفظ وہم معنیٰ کلمات) کے قبیل سے ہیں، یعنی بلا اخذ وسماع یہ کلمات مختلف زبانوں میں مستعمل رہے ہیں؛ اِسی بنا پر بعض عُلما فرماتے ہیں کہ: قرآن مجید میں مستعمل سارے کلمات خالص عربی زبان میں ہیں؛ لیکن عربی زبان چوں کہ ایک وسیع ترین زبان ہے اس لیے بسا اَوقات بعض اَکابر صحابہ سے بھی بعض اَلفاظ کے معانی مخفی رہ گئے تھے؛ جب کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت اِمام شافعیؒ فرماتے ہیں: ''لا يُحِيْطُ بِاللُّغَةِ إلَّا نَبِيٌّ''، کسی زبان پر کامل ومکمل مہارت وقت کے نبی کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتی۔

غریب قرآن میں سَلَف کے طرقِ تفسیر

غریب القرآن کی تفسیر میں اَسلاف مختلف طریقے اور تعبیرات استعمال

فرماتے تھے؛ اُن میں کچھ طریقے مندرجۂ ذیل ہیں:

۱-لفظ کی تفسیر اس کے معنیٔ مُطابَقی - پورے معنیٔ موضوع لہ - سے کرنا[۱]، جیسے: ﴿وَكِتٰبٍ "مَّسْطُوْرٍ"﴾[۲] [الطور: ۲]، میں قتادہ وضحاک نے مَسْطُوْر کی تفسیر مَكْتُوْب سے فرمائی ہے۔

۲-لفظ کی تفسیر معنیٔ تَضَمُّنی - جزءِ معنیٰ - سے کرنا یا کسی کلی کو اس کے بعض مصادیق پر منطبق کرنا، جیسے: ﴿يَتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللهِ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۱۳]، اور باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ، وَابْتَغُوْا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾[۳] [المائدۃ: ۳۵].

---

[۱] مثلاً: عینک یعنی: چشمہ کے لفظ کو ہم تین جگہوں پر استعمال کرتے ہیں: ''میں نے چشمہ خریدا''، یعنی: مکمل چشمہ خریدا؛ ''چشمہ ٹوٹ گیا''، یعنی: اس کا گلاس ٹوٹ گیا؛ ''زید کو چشمے آئے ہیں''، یعنی: اس کی آنکھیں کمزور ہوگئی ہیں؛ یہاں پہلی مثال میں دلالتِ مطابقی ہے، دوسری میں دلالتِ تضمنی اور تیسری میں دلالتِ التزامی ہے۔

اسی طرح صفتِ باری ''البَصِيْر'' کی دلالت ذاتِ باری اور صفتِ بصر پر ''مطابقی'' ہے، صرف صفتِ بصر پر ''تضمنی'' ہے، اور صفتِ بصر کی دلالت صفتِ حیات پر ''التزامی'' ہے؛ کیوں کہ صفتِ بصر کے اثبات کے لیے بصر کے لیے حیات ضروری ہے۔

[۲] یعنی: قسم ہے کوہِ طور کی اور لکھی ہوئی کتاب کی؛ اس کتاب سے شاید لوحِ محفوظ مراد ہو، یا لوگوں کا اعمال نامہ یا قرآنِ کریم، یا طور کی مناسبت سے تورات یا عام کتبِ سماویہ سب احتمالات ہیں۔ (فوائد)

[۳] پہلی آیت میں لیل کے بعض اجزاء کو مراد لیتے ہوئے کسی نے ثلثِ اخیر سے تفسیر کی ہے، تو کسی نے ثلثِ اخیر سے کچھ پہلے کے وقت سے، اور کسی نے ما بین العشائین سے تفسیر کی ہے۔

۳-لفظ کی تفسیر معنیٔ اِلتزامی-معنیٔ مجازی یا کنائی وغیرہ-معانی سے کرنا، جیسے: ﴿اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ، ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ، لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ﴾(۱) [الواقعة: ٦٥] میں ﴿تَفَكَّهُوْنَ﴾ کی تفسیر "تَنَدَّمُون" (شرمساری) سے کرنا؛ اسی طرح امام بخاریؒ نے ﴿اُتْرِفُوْا﴾ کی تفسیر "اُهْلِكُوْا" سے فرمائی ہے؛ یہ تفسیر باللازم کے قبیل سے ہے(۲)۔

➲ دوسری آیت میں "وسیلہ" کے معنیٔ کلی کے مختلف مصادیق کو ذکر کرکے تفسیر کی ہے، مثلاً: اعمالِ صالحہ، رضا وصبر، طاعات، دعاء، دعاء عند النبی وأہل بیتہ، درجۂ جنت وغیرہ؛ اور یہ تمام معانی ایسے ہیں کہ اس پر وسیلہ کا لفظ صادق آتا ہے۔

(۱) یعنی: بظاہر بیج زمین میں تم ڈالتے ہو؛ لیکن زمین کے اندر اُس کی پرورش کرنا پھر باہر نکال کر ایک لہلہاتی کھیتی بنا دینا کس کا کام ہے؟ اس کے متعلق تو ظاہری اور سطحی دعویٰ بھی تم نہیں کر سکتے کہ: ہماری تیار کی ہوئی ہے، اگر ہم چاہیں تو کوئی آفت بھیج دیں جس سے ایک دم میں ساری کھیتی تہس نہس ہوکر رہ جائے، پھر تم سر پکڑ کر روؤ، اور آپس میں بیٹھ کر باتیں بنانے لگو۔ (فوائد عثمانی)

(۲) پہلی مثال میں ﴿تَفَكَّهُوْنَ﴾ کا حقیقی معنیٰ: تفکّہ اور تمتُّع کو ختم کرنا ہے؛ لیکن تلذُّذ وتمتع کے ختم ہوجانے کے لیے ندامت لازمی امر ہے۔ اسی طرح دوسری آیت ﴿وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ [هود] میں ظالموں کی سرکشی ہلاکتی کو مستلزم ہے؛ لہٰذا یہ تفسیر باللازم کے قبیل سے ہے۔

اسی نکتہ کو علامہ ابن تیمیہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: "وَقَد يَقَع فِي عِبارَاتِهِم تَبَايُنٌ فِي الأَلْفَاظ، يَحْسبُهَا منْ لا عِلمَ عِنْدَه اخْتِلَافا، وَلَيْس كَذٰلِك! فَإِنّ مِنْهُم: مَنْ يُعبِّر عَنِ الشَّيْء بِلَازِمِه أَوْ نَظِيْرِه، وَمِنْهم مَنْ يَنُصّ عَلَى الشَّيْء بِعَيْنِه".

اِسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وَمِمَّا يَجِب أَنْ يُّعْلَم أَنَّ القُدَمَاء مِنَ الصَّحَابَة رضی اللہ عنہم وَالتَّابِعِيْن يُفسّرُوْن اللَّفْظ بِلازِم مَعْنَاه، وَقَدْ يَتَعَقَّب الْمُفسِّرُوْن الْمُتَأَخِرُوْن ذٰلِكَ التَّفسِيْر الْقَدِيْم بَعْد تَتَبُّع اللُّغَة وَتَفَحُّص مَوارِدِ الْاسْتِعْمَال مَعَ أَنَّ تَعقِيْبهُم غَيْرُ مُلَائِم".

۴- لفظ کی تفسیر مثال کے ذریعے کرنا، جیسے: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ [هود: ١١٤]، ایک قول میں حسنات کی تفسیر ''صلوات'' سے کی گئی ہے، اور دوسرے قول میں ''حسنات'' سے اِنسان کا: ''سُبْحَانَ اللهِ، وَالحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ'' کہنا مراد لیا ہے؛ اس پر ابنِ عطیہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ درحقیقت حسنات کی مثالیں ہیں''؛ لہٰذا یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے[١]۔

۵- لفظ کی تفسیر قِیاس کے ذریعے کرنا، جیسے: ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾[٢] [النساء: ٤٣] میں حضرت ابنِ عباسؓ نے ﴿سُكٰرٰى﴾ کی تفسیر نُعاس (اونگھ) سے فرمائی ہے، ضحاک کہتے ہیں کہ: ابن عباس نے نیند کا نشہ (اُونگھ) مراد لیا ہے، خمر کا نشہ مراد نہیں لیا۔

اس پر علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: آیت کے شانِ نزول کو دیکھتے ہوئے ''سُکرِ خمر'' مراد لیا جائے گا؛ کیوں کہ لفظ اُس معنیٰ پر صراحتاً دلالت کرتا ہے؛ لیکن

---

[١] اسی طرح لفظِ: طاغوت باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ﴾ [النساء: ٥١]، ''کیا تم نے نہیں دیکھا جن کو کتاب (تورات) کا ایک حصہ ملا ہے (پھر بھی) وہ بُت اور شیطان کو مانتے ہیں''؛ اس جگہ امام رازیؒ نے طاغوت کے بابت مفسرین کے پانچ اقوال ذکر کیے ہیں: شیطان، کاہن، جادوگر، مورتیاں اور سرکش جنّ وانس، اس کے بعد امام رازیؒ نے فرمایا کہ: یہ سب چیزیں تمثیل ہیں، تعیین نہیں! اور حقیقت میں طاغوت ہر وہ سرکش طاقت ہے جو خیر کے راستے روکے۔

[٢] حق تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا؛ یہ حکم اس وقت تھا جب کہ نشہ حرام نہ ہوا تھا، بعد میں باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ سے نشہ کو حرام قرار دے دیا۔ (مس)

بطریقِ قیاس سکرِ نوم (اُونگھ) مراد لینا بھی صحیح ہے؛ کیوں کہ دونوں میں ''عدمِ اِفاقہ'' کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔

٦- لفظ کی تفسیر بہ طریقِ اِشارہ[١] کرنا، جیسے: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾[٢] [المدثر:٤] کی تطہیرِ ثیاب کے ساتھ تطہیرِ نفس سے تفسیر کرنا۔

تفسیر اور استنباط میں فرق

معلوم ہونا چاہیے کہ: بیشتر آیاتِ قرآنیہ؛ بلکہ جملہ آیات اپنے معانیٔ مرادیہ پر دلالت کرتی ہیں، چاہے وہ دلالت مطابقی ہو یا تضمنی ہو یا التزامی ہو؛ نیز معانیٔ مطابقیہ وتضمنیہ کو منطوقِ کلام سے تعبیر کیا جاتا ہے جب کہ معانیٔ التزامیہ کو مفہومِ کلام سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور فنِ اصولِ تفسیر میں منطوقِ کلام (معنیٔ مطابقی وتضمنی) کو بیان کرنا ''تفسیر'' کہلاتا ہے، اور مفہومِ کلام (معنیٔ التزامی) کو بیان کرنا ''استنباطِ مفسرین'' کہلاتا ہے۔ (الاستنباط عند المفسرین)

ملاحظہ: استنباطِ مفسرین کے لیے ''سببِ نزول بیان کرنے میں اختلاف'' ملاحظہ فرمائیں۔

---

[١] اِشارہ: یعنی اشارۃ النص کے قبیل سے تفسیر کرنا، جس میں غیر منصوص کو منصوص کے ساتھ لاحق کیا جاتا؛ اسی کو ''تفسیرِ اشاری'' بھی کہا جاسکتا ہے۔

[٢] اس کی وضاحت پہلے ''سلف کی تفاسیر میں اختلاف کے اسباب'' ص: ۳۹ پر گذر چکی ہے۔

اِختلافِ مفسرین کی دوصورتیں

تفسیر میں واقع اِختلاف کی دوقسمیں ہیں: اختلافِ تضاد، اِختلافِ تنوُّع۔

اِختلافِ تضاد: کسی آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اَقوال کا ایسا مختلف ہونا کہ ایک ہی ساتھ سب آرا کا قائل نہ ہوا جاسکے، جیسے: ﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِيْ الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ﴾ [1] [الأنفال: ٦]، اس آیت میں مجادِل کی مراد کے سلسلے میں مفسرین کا اِختلاف ہے، کسی نے مسلمانوں کو مراد لیا ہے اور کسی نے کفار کو مراد لیا ہے۔

---

[1] جنگِ بدر کے موقع پر جب ابوسفیان کا تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، جب یہ قافلہ شام سے مکہ واپس ہوا تو نبی ﷺ کو خبر پہنچی، دوسری طرف اگرچہ مسلمانوں پر مشرکین کے مسلسل تیرہ برس کا ظلم وتکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت وبے کسی حد سے گذر گئی تھی؛ لیکن مکہ کا ادب مانع تھا کہ مسلمان ابتداءً وہاں چڑھ کر جائیں اس لیے مشرکینِ مکہ کے تجارتی سلسلوں کو شکست دے کر ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جاتی رہی، اور ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک ایسا ہی معاملہ چلتا رہا۔

چناں چہ آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے؟ بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے سے پہلوتہی کی؛ کیوں کہ ان کو کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا؛ آخر حضور ﷺ تین سو سے کچھ زائد آدمیوں کی جمعیت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہوئے؛ وہاں غیر متوقع صورت (لشکرِ قریش سے باقاعدہ جنگ کی صورت) پیش آجانے پر آپ ﷺ نے صحابہ کو اطلاع دی کہ: اس وقت دو جماعتیں تمھارے سامنے ہیں: تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر، خدا کا وعدہ ہے کہ: دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلَّط کرے گا؛ تم بتلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟

چوں کہ اس لشکر کے مقابلہ میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لیے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض مسلمانوں کی رائے یہ ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ⇐

اِختلافِ تنوُّع: مفسرین کے اَقوال میں اَیسا اِختلاف ہونا کہ: اُن تمام تفاسیر پر ایک آیت کو محمول کیا جاسکے، بہ شرطے کہ وہ سب اَقوال صحیح ہوں، جیسے: ﴿اِهْدِنَا "الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ"﴾ [الفاتحة:٦] میں "صراطِ مستقیم" کی تفسیر بعضے حضرات نے "اِتباعِ قرآن" سے کی ہے اور دوسروں نے "اِسلام" سے کی ہے (۱)۔

ملاحظہ: بسا اوقات اِسرائیلیات سے متأثر ہوکر بعض مفسرین کا اِختلاف غیر مفید چیزوں میں بھی واقع ہوا ہے، مثلاً: اَصحابِ کہف کتنے تھے؟ اُن کے نام کیا تھے؟ کتے کا رنگ کونسا تھا؟ کشتیٔ نوح کتنی بڑی تھی؟ وغیرہ؛ حالاں کہ باری تعالیٰ نے اَیسے اِختلاف میں پڑنے سے منع فرمایا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ رَبِّيْ أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيْلٌ، فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ إِلَّا مِرَآءً

ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رائے پر خوش نہ تھے، چناں چہ بعد میں یہ فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلہ پر جوہرِ شجاعت دکھلائے جائیں۔

اگر مجادِل سے مسلمانوں کو مراد لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ: ایک فریق کی کراہیت تو عین خروج من المدینہ ہی کے وقت ظاہر ہوگئی، اور مجادلہ (کراہیتِ ثانیہ) کی صورت آگے چل کر لشکر کی اطلاع ملنے پر مقامِ صفراء میں پیش آئی، اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی خدائی وعدہ سن لینے کے بعد قتال کو ناپسند کیا۔

اور اگر مجادل سے کفار کو مراد لیں تو یہ جملہ مستأنفہ ہوگا، اور مطلب یہ ہوگا کہ: کفار و مشرکین آپ سے مجادلہ کی صورت اپنائے ہوئے ہیں، کہ شریعتِ اسلام کی حقانیت ان کے سامنے واضح ہوچکی ہے۔

(۱) اختلافِ تنوع کی چار صورتیں ہیں، تفصیل آگے "غریب القرآن میں اختلافِ تنوع" کے ضمن میں آرہی ہے۔

ظَاهِرًا﴾[1] [الکھف:۲۲]؛ لہٰذا اگر ایسے اُمور کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے صحیح سند سے کوئی بات منقول ہو تو قبول کرلی جائے گی؛ ورنہ ایسے امور میں توقف کیا جائے گا۔

اِختلافِ تنوّع کی چار صورتیں

کسی لفظ کے چند معانی ہوں، صحیح بھی ہوں، اُن میں باہمی تعارُض بھی نہ ہو: اُسے ''اختلافِ تنوُّع'' سے تعبیر کرتے ہیں؛ اَیسے مواقع میں آیتِ کریمہ کو اُن تمام معانی پر محمول کرسکتے ہیں۔

اختلافِ تنوع کی چار صورتیں ہیں:

۱- مفسرین میں سے ہر ایک معنیٔ مرادی کو اَلفاظِ متقاربہ سے تعبیر کرے، جیسے: ﴿وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾[2] [قٓ:۳۸] میں ﴿لُّغُوْبٍ﴾ کی تفسیر ''نَصَب''، ''عَنَاء'' اور ''سآمة'' سے کرنا: سب میں تقریباً ''تھکا دینا، اُکتانا، دِل اُچاٹ ہونا'' کے معانی ہیں۔

۲- ہر مفسر عام لفظ کی تفسیر میں اس کی خاص کسی نوع کو مثالاً بیان کرے،

---

(۱) یعنی: اس قسم کی غیر معتد بہ باتوں میں زیادہ جھگڑنا لا حاصل ہے، عدد کے معلوم ہونے سے کوئی اہم مقصد متعلق نہیں؛ جتنی بات خدا نے بتلادی اس سے زیادہ تحقیق کے درپے ہونا یا جس قدر تردید خدا تعالیٰ کرچکا اس سے زیادہ جھگڑنا اور تردید کرنا فضول ہے۔ (فوائدِ عثمانی)

(۲) ہم نے آسمان، زمین اور جو کچھ چیزیں ان کے بیچ ہیں چھ دن میں بنائے ہیں، اور ہم کو کچھ تھکان نہ ہوا؛ پھر جب پہلی مرتبہ بنانے سے نہ تھکے تو دوسری مرتبہ کیوں تھکیں گے۔

جیسے: ﴿لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾① [التکاثر: ٨] میں ''نعیم'' کے بارے میں مختلف اَقوال ہیں: اَمن واَمان، صحت، کھانا پینا وغیرہ۔

۳- ہر مفسر کسی مشترک لفظ کے الگ الگ معانی ذکر کرے، جیسے: ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ، كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ، فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ﴾ [المدثر: ٥١] میں ﴿قَسْوَرَةٍ﴾ کی تفسیر: شیر، تیر اور تیر اَنداز شکاری سے کرنا②۔

۴- ہر مفسر مقصود اور معنیٔ مرادی کو ایسی عبارت سے تعبیر کرے جو دوسروں کی عبارت سے مختلف ہو، یعنی: تعبیر میں اختلاف ہو؛ لیکن مقصود ایک ہی ہو، جیسے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ [الفاتحۃ:٦]، میں صراطِ مستقیم کی تفسیر کے لیے مختلف تعبیرات ہیں: کسی نے ''اتباعِ قرآن'' سے تعبیر فرمائی ہے کسی نے ''مذہبِ اسلام'' سے تعبیر فرمائی ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ دونوں قول متفق ہیں؛ کیوں کہ دینِ اسلام وہی اتباعِ قرآن ہے''؛ گویا صرف طریقۂ تعبیر کا اختلاف ہے③۔

---

① یعنی: آخرت کے دن تم سے پوچھا جائے گا کہ: جو نعمتیں (ظاہری و باطنی، آفاقی و انفسی، جسمانی و روحانی) دنیا میں عطا کی گئی تھیں اُن کا حق تم نے کیا ادا کیا؟ اور منعمِ حقیقی کو کہاں تک خوش رکھنے کی سعی کی؟۔ (فوائد عثمانی ملخصا)

② یعنی: ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ نصیحت سن کر ٹس سے مَس نہیں ہوتے، بلکہ نصیحت سننا بھی نہیں چاہتے؛ حق کا شور وغل اور شیرانِ خدا کی آوازیں سُن کر جنگلی گدھوں کی طرح بھاگے جاتے ہیں۔ (فوائد عثمانی)

③ اسی طرح باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَنَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ ⬅

قاعدہ:۱- کسی لفظ کے معنیٔ شرعی اور معنیٔ لغوی کے درمیان اِختلاف ہوتو معنیٔ شرعی کے مُقتَضا کے مطابق تفسیر کی جائے گی؛ کیوں کہ نزولِ قرآن کا مقصد شریعت کو بیان کرنا ہے نہ کہ لغت کو بیان کرنا①۔

ہاں! اگر ایسے مواقع میں معنیٔ لغوی کو راجح قرار دینے والی کوئی دلیل ہوتو پھر معنیٔ لغوی ہی مراد لیا جائے گا۔

قاعدہ ۲: اگر کوئی لفظ معانیٔ کثیرہ کا محتمل ہو اور اُن معانی میں باہمی تعارُض وتناقض نہ ہوتو آیت کریمہ کو تمام معانی پر محمول کیا جائے گا؛ جیسا کہ اختلافِ تنوع کی پہلی صورت میں ابھی گذرا۔

ہاں! اگر لفظ کے معانیٔ محتملہ میں باہمی تعارض ہوتو سِیاق کلام (سلسلۂ کلام)

➲ سُوْءَ الْعَذَابِ﴾ [البقرۃ:۴۹] میں ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ﴾ کی تفسیر میں ”يُذِيقُوْنكُم، يُوْرِدُوْنَكُم، يُوْلُوْنَكُم“ مختلف تعبیرات ہیں، سب کا حاصل ”عذاب دینا، چکھانا، عذاب کا معاملہ کرنا“ ہے۔

① مثلاً: صلاۃ کے لغوی معنیٰ: ”دعا“ کے ہے اور شرعی (مجازی) معنیٰ رکنِ مخصوص کے ہے؛ لہٰذا باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا﴾ [التوبة: ۸۴] میں معنیٔ شرعی: رکنِ مخصوص، کو مراد لیا جائے گا؛ جب کہ باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا، وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ [التوبة: ۱۰۳] میں صلاۃ کے لغوی معنیٰ: ”دعا“ کو راجح قرار دینے کی دلیل بخاری شریف: ۱۴۹۸ میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت ہے کہ:

جب حضرت عبداللہ بن أبی أوفیٰ اپنی قوم کے صدقات کو لے کر حاضرِ خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللّٰهُمَّ صلِّ علىٰ آلِ أبي أوفىٰ“؛ چنانچہ اس روایت کی وجہ سے آیتِ ثانیہ میں صلاۃ کے لغوی معنیٰ مراد لیے جائیں گے۔

کے مطابق جس معنیٰ کو مراد لینا زیادہ راجح ہو اُسی کو مراد لیا جائے گا، جیسے: ﴿لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا﴾ ① [النبأ: ٢٤]. میں ''برد'' کی تفسیر نیند سے کی گئی ہے جو قلیل الاستعمال ہے؛ کیوں کہ مشہور اور اَغلب معنیٰ: ''ٹھنڈی ہوا'' ہے؛ لہٰذا اُسی تفسیر کو راجح قرار دیا جائے گا۔

اَشعارِ جاہلیت سے سلف کا اِستدلال

تفسیر کرتے وقت جاہلیت کے اَشعار سے اِحتجاج کرنا جُمہور صحابہ اور تابعین کے نزدیک جائز ہے، حتیٰ کہ مفسرِ قرآن حضرت ابنِ عباسؓ تو جاہلیت کے اَشعار کو بہ کثرت استشہاد میں پیش فرماتے تھے؛ کیوں کہ اَشعارِ جاہلیت ہی عربی زبان کا اہم ظرف ومَاخذ ہے؛ اسی بنا پر حضرت ابنِ عباسؓ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے: ''تم مجھ سے ''غریب القرآن'' کے بابت دریافت کرتے رہتے ہو، تمھیں چاہیے کہ: غریب القرآن کی وضاحت اَشعارِ جاہلیت میں تلاش کرو؛ کیوں کہ اَشعارِ جاہلیت ہی عربوں کا رجسٹر ہے ②۔

---

① یعنی: جہنمی لوگ جہنم میں نہ ٹھنڈک کی راحت پائیں گے، نہ کوئی خوشگوار چیز پینے کو ملے گی، ہاں! گرم پانی ملے گا جس کی سوزش سے منہ جُھلس جائیں گے، اور آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آپڑیں گی، اور دوسری چیز پیپ ملے گی جو دوزخیوں کے زخم سے نکل کر بہے گی۔ ''أَعَاذَنَا اللهُ مِنْهَا وَمِنْ سَائِرِ أَنْوَاعِ العَذَابِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَة''. (فوائد عثمانی)

② قرآنِ مجید اور اَحادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اَشعار کے متعلق جو مذمت وارد ہے وہ اُن اَشعار کے الفاظ کی وجہ سے نہیں ہے؛ کیوں کہ اَشعارِ عرب کے اَلفاظ تو دِیوان کی حیثیت کے حامل ہیں؛ ہاں! مذمت کی بنیاد وہ بُرے مضامین ومعانی ہیں جو اُن اَشعار میں بہ کثرت وارد ہیں، مثلاً: ⇐

یہی وجہ ہے کہ ہمارے درسِ نظامی میں اشعارِ عرب سے متعلق کتابیں داخلِ درس رکھی گئیں ہیں؛ اُن کتابوں کو اِسی غرض سے محنت سے پڑھنا چاہیے۔

خاتمہ در علمِ وجوہ ونظائر واَفراد

معلوم ہونا چاہیے کہ: قرآنِ مجید میں بعض الفاظ صریح الدلالۃ ہیں، جو صرف ایک ہی معنیٰ کے محتمِل ہیں؛ جب کہ دوسرے بہت سے الفاظ ظنّی الدلالت ہیں، جو ایک سے زائد معانی کے محتمِل ہیں؛ ایسے مواقع میں سِیاق وسَباق سے، یا کسی دوسری آیت یا سنتِ رسول سے کسی ایک احتمال کو ترجیح دی جاتی ہے۔

علمِ وجوہ ونظائر درحقیقت فنِّ تفسیر کا اہم حصہ ہے جس میں متعدِّد معانی پر دلالت کرنے والے الفاظ میں سے ہر اُس لفظ سے بحث کی جاتی ہے جو قرآنِ مجید میں ایک سے زائد جگہوں پر مختلف معانی میں اِستعمال ہوئے ہیں[1]۔

وجوہ: وہ لفظِ مشترک ہے جو قرآنِ مجید میں متعدد معانی کے لیے مستعمل ہو، جیسے لفظِ ''قُرْء'' بمعنیٰ: حیض، طہر؛ اور ''قَسْوَرَةٌ'' بمعنیٰ: شیر، تیرانداز شکاری۔

نظائر: وہ لفظِ متواطی ہے جس کا ایک ہی معنیٰ ہو؛ لیکن اس کے اَفراد زیادہ

⊃ عصبیت (بےجا طرف داری)، حمیت (غیرت ونخوت)، تشبیب (جوانی کے واقعات کو ذکر کرنا)، تغزُّل (عشق بازی)، حماست (جنگ وجدال، دلیری، سختی) اور ہجا (عیب گیری) وغیرہ۔

[1] أخرج عبدُ الرزَّاق مِن حَديث مَعْمر بنِ راشِد عَنْ ايُّوب السخْتِياني عَن أبِي قِلابَة عنْ أبي الدَّرْداء قَال: ''لاتَفقَهْ كُلَّ الفِقْه حَتّٰى تَرى للقُرآن وُجُوْها كثِيْرة''؛ رجال هٰذا الاسناد كلهم أئمة جبال. (الوجوه والنظائر للقرعاوي)

ہوں، جیسے: اِنسان، یہ لفظ زید، عمر، صالح، ناصر وغیرہ سب افرادِ انسان پر یکساں بولا جاتا ہے۔

وجوہ کی مثال

کلمۂ ﴿السّوْءَ﴾ ہے، جو قرآنِ مجید میں مندرجۂ ذیل معانی میں مستعمل ہے:

(۱) شدّت کے لیے، جیسے: ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْءَ العَذَابِ﴾ [الأعراف: ۱٦٧]۔ (۲) عَقْر (البعیر: بوقتِ ذبح اونٹ کی ٹانگ کاٹ دینا)، جیسے: ﴿وَلاَ تَمَسُّوْهَا بِسُوْء﴾ [الأعراف: ۷۳]۔ (۳) زنا کے لیے، جیسے: ﴿مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ﴾ [مریم: ۲۸]۔ (۴) برص کے لیے، جیسے: ﴿بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْء﴾ [طه: ۲۲]۔ (۵) عذاب کے لیے، جیسے: ﴿إِنَّ الخِزْيَ اليَوْمَ وَالسُّوْء﴾ [النحل: ۲۷]۔

نظائر کی مثال

کلمۂ ﴿قَرْيَةٌ﴾ ہے، جو قرآنِ مجید میں تقریباً پچاس جگہوں میں مستعمل ہے، جن میں قریہ کا معنیٰ تو بستی کا ہی ہے؛ لیکن مراد الگ الگ بستیاں ہیں، جیسے:

(۱) اَریحا یا بیت المقدس کے لیے، جیسے: ﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ القَرْيَةَ﴾ [البقرة: ۵۸]۔ (۲) مکہ مکرمہ کے لیے، جیسے: ﴿اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ القَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا﴾ [النساء: ۷۵]۔ (۳) مصر کے لیے، جیسے: ﴿وَاسْئَلِ القَرْيَةَ﴾ [يوسف: ۸۲]۔

اَفراد

اُفراد سے مراد وہ الفاظ ہیں جو کسی خاص معنیٰ پر دلالت کرتے ہوں اور قرآنِ مجید میں دوسری جگہ اس معنی میں مستعمل نہ ہو، جیسے ابن فارس کہتے ہیں کہ: قرآنِ مجید میں جہاں کہیں ﴿البَرُّ والبَحْرُ﴾ کا ذکر آیا ہے وہاں ''بُرٌّ'' سے خشک مٹی اور بحر سے پانی مراد ہے، سوائے باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿ظَهَرَ الفَسَادُ فِيْ البَرِّ وَالبَحْرِ﴾ [الروم: ٤١] کے؛ کیوں کہ یہاں بر و بحر سے آبادی اور ویرانی مراد ہے۔

فصلِ سوم

در عملِ تطبیق

بحث اول در تعارض بین الآیات

بعض آیات کے درمیان تعارض کا واہمہ اور مفسّر کا مَوْقِف

معلوم ہونا چاہیے کہ: قرآنِ مجید اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے، جو بالکل سچا ہے؛ لیکن کبھی تفسیر القرآن بالقرآن کے وقت قرآن مجید کی دو آیتوں یا ایک آیت کے دو جملوں کے درمیان بظاہر ایسے تعارض کا واہمہ ہوتا ہے: کہ ایک خبر کو سچا ماننے پر دوسری خبر کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے، حالاں کہ یہ بات باری تعالیٰ کے کلام میں محال ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾[1] [النساء: ۸۷]، ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ [النساء: ۱۲۲].

تعارُض کے اِس واہمہ کو دور کرنے اور دونوں آیتوں کے درمیان جمع وتطبیق کے لیے حضراتِ اُصولیین نے کچھ طریقے ذکر فرمائے ہیں:

۱- شرائطِ نسخ کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے نسخ پر محمول کرنا، جیسے باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ﴾ [البقرة: ۲۴۰]؛ اور ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾

[1] ترجمہ: اور اللہ سے سچی کس کی بات ہوسکتی ہے، یعنی: قیامت کا آنا اور ثواب وعقاب کے سب وعدوں کا پورا ہونا سچ ہے، اس میں تخلف نہ ہوگا؛ ان باتوں کو سرسری خیال نہ کرو!۔ (فوائد عثمانی)

[البقرۃ: ۲۳٤]؛ میں پہلی آیت منسوخ اور دوسری ناسخ ہے(۱)۔

۲- دونوں آیتوں کو الگ الگ اَشخاص پر محمول کرنا، جیسے: ﴿فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۝۵﴾(۲) [السجدۃ: ۵]، وقوله تعالیٰ: ﴿فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۝۴﴾(۳) [المعارج: ٤] **میں پہلی آیت مومنین کے حق میں ہے اور دوسری آیت کافروں کے حق میں ہے۔**

۳- دونوں آیتوں کو الگ الگ جگہوں پر محمول کرنا، جیسے: ﴿فَلَاۤ اَنْسَابَ

---

(۱) آیتِ اولیٰ کا ترجمہ: اور جو لوگ تم میں سے مرجاویں اور اپنے پیچھے عورتیں چھوڑ جاویں تو شوہروں پر ضروری ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے واسطے ایک برس تک گھر سے نکالے بغیر خرچ دینے کی وصیت کرجائیں۔

آیتِ ثانیہ کا ترجمہ: اور جو لوگ تم میں سے مرجاویں اور اپنی عورتیں چھوڑ جاویں تو ان عورتوں کو چاہیے کہ: وہ اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں رکھیں۔

علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ: پہلی آیت کا حکم ابتداء تھا، جب آیتِ میراث نازل ہوئی اور عورتوں کا حصہ بھی مقرر ہو چکا، ادھر عورت کی عدت چار مہینے دس دن ٹھہرادی گئی تب سے اس آیت کا حکم موقوف ہوا۔ (فوائدِ عثمانی)

(۲) بعض کے نزدیک ''یوم'' سے یومِ قیامت مراد ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک تمام دنیا کا بندوبست کرتا ہے، پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا قصہ ختم ہوکر اللہ کی طرف لوٹ جائے گا، اور آخری فیصلہ کے لیے پیش ہوگا اُس کو ''قیامت'' کہتے ہیں؛ قیامت کا دن ہزار سال کے برابر ہے۔ (فوائد)

دیگر مفسرین کے نزدیک یوم سے یومِ قیامت نہیں؛ بلکہ اللہ کے یہاں کا ایک دن مراد ہے۔

(۳) پچاس ہزار برس کا دن قیامت کا ہے، یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکنے کے وقت سے لے کر بہشتیوں کے بہشت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں قرار پکڑنے تک پچاس ہزار برس کی مدت ہوگی۔ (فوائد)

بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴿١٠١﴾ (۱) [المؤمنون: ۱۰۱]، مع قوله تعالیٰ: ﴿فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ﴿٥٠﴾ (۲) [الصافات: ٥٠] میں پہلی آیت دخول جنت سے پہلے موقفِ قیامت کے بابت ہے اور دوسری آیت جنت کے بابت ہے۔

۴- دونوں آیتوں کو مختلف اَوقات پر محمول کرنا، جیسے: ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى أَفْوَاهِهِمْ﴾ (۳) [یس: ٦٥]؛ ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (۴) [الأنعام: ۲۳] کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ: قیامت کا دن مختلف اَحوال پر مشتمل ہوگا، کسی وقت یا جگہ لوگ بات کر سکیں گے اور کسی وقت منہ پر مہر لگی ہوگی۔ (صحیح بخاری، کرمانی)

---

(۱) دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد تمام خلائق کو ایک میدان میں لاکھڑا کریں گے، اس وقت ہر شخص اپنی فکر میں مشغول ہوگا؛ اولاد ماں باپ سے، بھائی بھائی سے اور میاں بیوی سے سروکار نہ رکھے گا، ایک دوسرے سے بے زار ہوں گے، کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ﴾ [عبس: ٣٤ - ٣٦]

(۲) جنت میں یارانِ جلسہ جمع ہوں گے اور شرابِ طہور کا جام چل رہا ہوگا، اس عیش وتنعم کے وقت اپنے بعض گذشتہ حالات کا مذاکرہ کریں گے۔ (فوائد عثمانی)

(۳) یعنی آج اگر یہ لوگ اپنے جرموں کا زبان سے اعتراف نہ بھی کریں تو کیا ہوتا ہے، ہم منہ پر مہر لگادیں گے اور ہاتھ پاؤں کان آنکھ حتی کہ بدن کی کھال کو حکم دیا جائے گا کہ اُن کے ذریعے سے جن جرائم کا ارتکاب کیا تھا بیان کریں۔ (فوائد عثمانی)

(۴) محشر میں مشرکین کہیں گے: ''اللہ کی قسم ہے جو ہمارا رب ہے: ہم دنیا میں شرک کرنے والے نہ تھے''؛ اس صریح جھوٹ سے مشرکین کی انتہائی بدحواسی اور شرکاء کی غایتِ بے چارگی کا اظہار ہوگا کہ: ساری عمر کے عقیدے اور تعلق سے بھی انکار کر بیٹھیں گے۔ (فوائد عثمانی ملخصا)

۵- دونوں آیتوں کو مختلف اَحوال پر محمول کرنا، جیسے تخلیقِ آدم کی بابت اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا: ﴿خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ﴾ [آل عمران: ٥٩]، دوسری جگہ فرمایا: ﴿مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ [الحجر: ٢٦]، تیسری جگہ فرمایا: ﴿مِنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ﴾ [الصّٰفّٰت: ١١]، چوتھی جگہ فرمایا: ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ [الرحمٰن: ١٤]؛ چناں چہ یہاں: حَمَأ (سڑا ہوا گارا جس سے بُو آتی ہو)، صَلْصَال (کھنکھناتی بجنے والی مٹی)، اور طِیْنٌ، اس مٹی پر بہ تدریج پیش آنے والے اَحوال ہیں، جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تھی۔

٦- ایک ہی فعل کے اِثبات اور نفی کو مختلف اِعتبارات و جہات پر محمول کرنا، جیسے: ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾[1] [الأنفال: ١٧]، اس آیت میں جنگ بدر کے موقع پر مٹی پھینکنے کا اِثبات ''کسب'' کے اعتبار سے اور نفی ''تاثیر'' کے اعتبار سے ہے۔

۷- دو لفظوں کو حقیقت و مجاز کے اعتبار سے مختلف معانی پر محمول کرنا، جیسے:

---

[1] جب بدر میں جنگ کی شدت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریاں لشکرِ کفار کی طرف پھینکیں اور تین مرتبہ ''شَاهَتِ الوُجُوْه'' فرمایا، خدا کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے، وہ سب آنکھیں ملنے لگے؛ اِدھر سے مسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا، آخر بہت سے کفار کھیت رہے۔ اُسی کو فرماتے ہیں کہ: گو بظاہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں؛ لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادۃً ایسا نہیں ہوسکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت کا سبب بن جائیں، یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے منہ پھیر دیے۔ (فوائد عثمانی)

﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى، وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى، وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ [الحج:۲][1] یہاں نشے کا ''اِثبات'' معنیٔ مجازی یعنی: ''قیامت کی ہولناکیوں سے بدحواس ہونا'' کے اعتبار سے ہے اور نشے کی نفی معنیٔ حقیقی کے اِعتبار سے ہے۔

۸- دونوں آیتوں کو مختلف مُرادوں پر محمول کرنا، جیسے: ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾[2] [النساء:۳]، وقوله تعالىٰ: ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْآ اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾[3] [النساء: ۱۲۹]؛ یہاں پہلی آیت اَدائیگیٔ حقوق میں اِنصاف سے کام لینے پر محمول ہے اور دوسری آیت مَیلانِ قلبی پر محمول ہے۔

۹- دونوں آیتوں کو مختلف شرائط پر محمول کرنا، جیسے: ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۝۴۸﴾[4] [البقرة: ٤٨]، وقوله

---

(۱) قیامت کے عظیم الشان زلزلے کے وقت لوگ اس قدر مدہوش ہوں گے کہ دیکھنے والا شراب کا نشہ گمان کرے گا، حالاں کہ وہاں نشہ کا کیا کام! خدا کے عذاب کا تصور اور اَہوال وشدائد کی سختی ہوش گم کردے گی۔ (فوائد عثمانی)

(۲) یعنی: اگر تم کو اس کا ڈر ہو کہ: کئی عورتوں میں انصاف اور مساوات کے مطابق معاملہ نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی نکاح پر قناعت کرو!

(۳) یعنی: اگر کئی عورتیں نکاح میں ہوں تو یہ تو تم سے نہ ہوسکے گا کہ: محبتِ قلبی اور ہر ہر امر میں بالکل مساوات اور برابری رکھو! مگر ایسا ظلم بھی نہ کرو کہ: ایک کی طرف تو بالکل جھک جاؤ اور دوسری کو درمیان میں لٹکتی رکھو؛ نہ خود ہی آرام سے رکھو، نہ بالکل علیحدہ ہی کرو جو دوسرے سے نکاح کرسکے۔ (فوائد عثمانی)

(۴) کوئی شخص گو کیسا ہی مقربِ خداوندی ہو؛ مگر کسی نافرمان عدوّ اللہ کافر کو کسی صورت سے نفع نہیں پہنچا سکتا، نہ سعی وسفارش سے اور نہ ہی تاوان وفدیہ دے کر۔ (محمد الیاس)

تعالیٰ: ﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهُ﴾[1] [السبا:۲۳]؛ یہاں پہلی آیت عدمِ اِذن کے ساتھ مشروط ہے اور دوسری آیت اِجازت کی شرط سے متصف ہے۔

۱۰- دونوں آیتوں کو کلام کے مختلف اَسالیب یعنی اِجمال وتفصیل پر محمول کرنا، جیسے: ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ؛ قُلْ "كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ"﴾[2] [النساء: ۷۸]، مع قوله: ﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ، وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾[النساء: ۷۹].

یہاں پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ: اچھائی اور برائی ہردو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ: اچھائی محض اللہ کی طرف سے اور برائی ہماری اپنی طرف سے پہنچتی ہے؛ جواب یہ ہوگا کہ: پہلی آیت

---

(۱) اُس کی بارگاہ تو وہ ہے جہاں بڑے بڑے مقربین کی یہ بھی طاقت نہیں کہ: بدونِ اجازت ورضامندی کے کسی کی نسبت ایک حرفِ سفارش ہی زبان سے نکال سکیں، اور شفاعت بھی صرف اُن ہی کے حق میں نافع ہوگی جن کے لیے اُدھر سے سفارش کا حکم مل جائے۔ (محمد الیاس)

(۲) یعنی: اصل بات یہ ہے کہ: جملہ بھلائی اور برائی کا موجد ہرچند اللہ ہے؛ مگر بندہ کو چاہیے کہ نیکی اور بھلائی کو حق تعالیٰ کا فضل اور احسان سمجھے، اور سختی اور برائی کو اپنے اعمال کی شامت جانے، اس کا الزام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ رکھے۔

پیغمبر ان امور کے لیے نہ موجد ہے نہ سبب؛ بلکہ موجد یعنی: ان باتوں کا پیدا کرنے والا تو اللہ ہے، اور سبب تمہارے عمل۔ (فوائد عثمانی)

مجمل ہے کہ کائنات میں جو کچھ اَچھا بُرا ہوتا ہے وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اُن کے حکم وتقدیر سے ہوتا ہے؛ جب کہ دوسری آیت میں فرمایا کہ: اچھائی تو بلا واسطہ محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے پہنچتی ہے، جب کہ برائی ہمارے اَعمالِ بد کی نحوست کے نتیجے میں پہنچتی ہے۔

بحثِ دوم در بیانِ توجیہ

کسی کتاب میں پیش آنے والی دشواری اور اعتراض کو حل کرنا توجیہ کہلاتا ہے، اور قارئین کی لیاقت وصلاحیت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے شارحین کی توجیہات بھی مختلف قسم کی ہوتی ہیں، مثلاً: مجمل کا بیان، مشکل کی وضاحت، لفظِ عام میں تخصیص اور لفظِ مطلق میں تقیید کو واضح کرنا، ان کا تفصیلی بیان بابِ اوّل کی فصلِ دوم میں ''منہجِ رسول'' کے ضمن میں آ گیا ہے۔

انواعِ توجیہ

انواعِ توجیہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- دو دلیلوں کے درمیان پیش آنے والے تعارض کو دور کرنا، ۲- دو تعریضوں کے درمیان پیش آنے والے تعارض کو دور کرنا، ۳- امرِ معقول ومنقول کے درمیان والے تعارض کو دور کرنا، ۴- دو مشتبہ چیزوں کے درمیان فرق بیان کرنا، ۵- دو مختلف باتوں میں تطبیق دینا، وغیرہ؛ تفصیلی مختلف مثالیں درسیات کے دوران آتی رہتی ہیں، نیز مزید تفصیل الفوز الکبیر اور روح القدیر میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

بابِ سوم

دراَسبابِ صُعوبت

اَسبابِ صُعوبت

فنِ نحو وصرف، لغت واِشتقاق؛ اُصولِ فقہ؛ علمِ معانی، بیان اور بدیع سے ناواقفیت کی وجہ سے پیش آنے والی صعوبتوں کے اَسباب کو حضرت شاہ صاحبؒ نے تفصیل سے ''الفوز الکبیر'' میں تحریر فرمایا ہے؛ اس کا مختصر خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

معلوم ہونا چاہیے کہ: قرآنِ مجید کا نزول نہایت واضح اور خالص عربی زبان میں ہوا ہے، اہلِ عرب اپنی فطری صلاحیت سے اس کے معانی کو سمجھ لیتے تھے؛ لیکن جب خالص عربوں کا یہ طبقہ ختم ہونے لگا اور عجمی لوگ آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو عرب وعجم کے اختلاط کی وجہ سے اصل عربی زبان متروک ہوگئی؛ لہٰذا بعض جگہوں میں مرادِ خداوندی کو سمجھنے میں دشواریاں پیش آنے لگیں (۱)۔

اَنواعِ اَسبابِ صعوبت

اَسبابِ صعوبت کو تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں: ۱-عبارت سے متعلق، ۲-معانی سے متعلق، ۳-اصطلاح میں اِختلاف سے متعلق۔

---

(۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ: آپ نے الفوز الکبیر کے بابِ دوم میں تفصیل سے اُن اَسباب کو شمار کروایا ہے اور اُن کا حل بھی ذکر فرمایا؛ ہم اس جگہ اُن اَسباب کو تین حصوں پر تقسیم کرلیتے ہیں، تاکہ اُن کو محفوظ اور ملحوظ رکھنا آسان ہوجائے، اس کے بعد اُن میں سے بعض مخصوص اَسباب پر مختصر کلام کریں گے۔

۱-عبارت سے متعلق اَسبابِ صعوبت: لفظِ غریب کا اِستعمال، اِیجازِ حذف، اِطناب، تکرار و زیادۃ، اِبدال و اِلتفات، تقدیم و تاخیر، اِنتشارِ ضمائر اور اِشتراک۔

۲-معانی سے متعلق اَسبابِ صعوبت: مجاز، کنایہ، تعریض (سببِ نزولِ خاص) اور محکم و متشابہ وغیرہ (متشابہات نِسبیہ)۔

۳-اِصطلاحی اِختلاف سے متعلق اَسبابِ صعوبت: سببِ نزول عند المتقدمین والمتأخرین، معنیٰ نسخ عند المتقدمین والمتأخرین۔

اوپر ذکر کردہ اَسبابِ صعوبت [۱] میں سے بعضے اَسباب فنِ نحو و صرف سے متعلق ہیں تو بعض لغت و اشتقاق سے، جب کہ بہت سے اَسباب علمِ معانی، علمِ بیان اور علمِ بدیع سے متعلق ہیں، اور بعضے اُصولِ فقہ سے بھی متعلق ہیں۔

ملاحظہ: ہم پہلے سببِ نزول، غریب القرآن اور نسخ پر کلام کر چکے ہیں؛ اَب یہاں اُن اَسبابِ صعوبت میں سے صرف آٹھ کو اِختصاراً ذکر کر لیتے ہیں؛ تفصیلی کلام کے لیے ''الفوز الکبیر'' ملاحظہ ہو، یا پھر ہر بحث کو متعلقہ فن سے سمجھ لیا جائے۔

اِیجاز، اِطناب، اِبدال، اِحلال؛ تقدیم و تاخیر؛ محکم و متشابہ؛ مجاز، کنایہ، تعریض (سببِ نزولِ خاص)، اور فواصل القرآن۔

---

[۱] یاد رکھنا چاہیے کہ: ذکر کردہ اسبابِ صعوبت میں سے اَکثر اَسباب علمِ معانی سے متعلق ہیں اور علمِ معانی کے آٹھ ابواب (خبر و انشاء، ذکر و حذف، تقدیم و تاخیر، تعریف و تنکیر، اِطلاق و تقیید، قصر، وصل و فصل اور اِیجاز و اِطناب و مساوات) میں سے تقریباً تمام کا تعلق فنِ نحو سے ہے؛ لہٰذا فہمِ قرآن میں پیش آنے والی صعوبت سے بچنے کے لیے فنِ نحو میں مہارت کے ساتھ علمِ معانی پر گہری نظر ضروری ہے۔

فصلِ اول: درصعوبات متعلق بہ عبارت

اِیجاز

بُلغا کے نزدیک اِیجاز کی دو قسمیں ہیں: اِیجازِ حذف اور اِیجازِ قِصر۔

۱-اِیجازِ حذف: طویل کلام کو مختصر عبارت میں سمیٹ لینا۔

۲-اِیجازِ قِصر: طویل معنیٰ کو مختصر عبارت میں سمیٹ لینا، جیسے: ﴿إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ، وَإِنَّهُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، أَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَأْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ﴾ [النمل: ۳۰ - ۳۱]، اس مختصر عبارت میں عنوان: ﴿مِنْ سُلَيْمَانَ﴾، خط: ﴿أَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ﴾ اور مقصد: ﴿وَأْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ﴾ تینوں معانی کو سمیٹ لیا ہے[۱]۔

ملحوظہ: اِیجازِ جامع، نیز اِیجازِ تقدیر اِیجازِ قِصر کے ساتھ ملحق ہے۔

۳-اِیجازِ تقدیر: منطوقِ کلام کے اقتضاء کی وجہ سے زائد معنیٰ کو مقدر ماننا، جیسے: ﴿فَمَنْ جَآءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ فَانْتَهٰى فَلَهُ مَا سَلَفَ﴾ [البقرة: ۲۷۵]، أيْ: فَهِيَ لَهُ، لَا عَلَيْهِ، یعنی: سود کی حرمت سے پہلے جو تم نے سود لیا دنیا میں اس کو مالک کی طرف واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا اور آخرت میں حق تعالیٰ کو اختیار ہے، چاہے اپنی رحمت سے اس کو معاف کردے؛ لیکن آئندہ اس سے ضرور بچا جائے؛ اسی طرح باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ

[۱] اِیجازِ قِصر میں مندرجۂ ذیل صورتیں داخل ہیں: عبارت میں عطف، ضمیر، کلماتِ تثنیہ وجمع، ادواتِ عموم، ادواتِ شرط واستفہام اور حصر وغیرہ کا استعمال کرنا۔

وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ﴾ [المائدة: ٣]، یہاں ﴿الْمَيْتَة﴾ سے پہلے ’’اکل‘‘ کا لفظ مقدر ہے، یعنی: ان چیزوں کا کھانا تم پر حرام ہے۔

۴-ایجازِ جامع: کسی لفظ کا معانیٔ متعددہ کو مشتمل ہونا، جیسے: باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ [النحل: ٩٠] یہاں عدل کے معنیٰ ہے: اعتقادات، عبادات اور اخلاقیات سے متعلق جملہ واجبات میں افراط وتفریط کے درمیان والا صراطِ مستقیم۔ (الاتقان، روح القدیر)

ملاحظہ: ایجازِ حذف میں کسی کلمہ یا جملہ کو حذف کردینا بھی داخل ہے[1]۔

---

[1] مندرجۂ ذیل صورتیں ایجازِ حذف کی ہیں؛ چوں کہ کلام میں محذوف کی شناخت کے بغیر صحیح معنیٰ ومفہوم تک رسائی دشوار ہوتی ہے؛ لہٰذا کلام اللہ سے اِس کی چند صورتیں مع اَمثلہ تحریر کی جاتی ہیں:

۱-مضاف کا حذف، جیسے: ﴿لٰكِنَّ البِرَّ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ﴾ اصل میں: لٰكِنَّ البِرَّ بِرُّ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ ہے۔

۲-موصوف کا حذف، جیسے: ﴿وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ اصل میں: آيَةً مُبْصِرَةً ہے۔

۳-مضاف اول کا حذف، جیسے: ﴿عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ﴾ اِس کی اصل: عَلٰى عَهْدِ مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ہے۔

۴- مرجع مفعول کا حذف، جیسے: ﴿إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ اِس کی اصل: أي: أَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ ہے۔

۵-فعل کا حذف، جیسے: ﴿كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ﴾ اِس کی اصل: كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ اِمْضِ ہے۔

۶- مرجع فاعل کا حذف، جیسے: ﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ اِس کی اصل: حَتّٰى تَوَارَتِ الشَّمْسُ بِالْحِجَابِ ہے۔

۷-مفعول بہ کا حذف، جیسے: ﴿فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ اِس کی اصل: فَلَوْ شَآءَ هِدَايَتَكُمْ لَهَدَاكُمْ ہے۔

۸-مفعول بہ ثانی کا حذف، جیسے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا العِجْلَ﴾ اِس کی اصل: إِنَّ الَّذِيْنَ ←

اتَّخَذُوْا العِجْلَ إِلٰهًا ہے۔

۹-حرفِ نفی کا حذف، جیسے: ﴿تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ﴾ اِس کی اصل: لاَ تَفْتَؤُ تَذْكُرُ ہے۔

۱۰-حرفِ جر کا حذف، جیسے: ﴿أَلَاۤ إِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ﴾ اِس کی اصل: كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ہے۔

۱۱- قول کا حذف، جیسے: ﴿فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ: إِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ﴾ اِس کی اصل: تَقُوْلُوْنَ إِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ہے۔

۱۲- مبتدا کا حذف، جوابِ استفہام میں بہ کثرت ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَمَاۤ أَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةِ، نَارُ اللهِ الْمُوْقَدَةُ﴾ اصل میں: هي نار الله ہے۔

۱۳-خبر کا حذف، جیسے: ﴿أُكُلُهَا دَآئِمٌ، وَّظِلُّهَا﴾ اصل میں: وظلها دائم ہے۔

۱۴- جزاء کا حذف، جیسے: ﴿إِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اِس کی اصل: إِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُم، أَعْرَضُوْا ہے۔

۱۵-جملہ کے بعض حصہ کا حذف، جیسے: ﴿تَأْتُوْنَنَا عَنْ الْيَمِيْنِ﴾ اِس کی اصل: تَأْتُوْنَنَا عَنْ الْيَمِيْنِ وَعَنْ الشِّمَالِ ہے۔

۱۶- لائے نافیہ کا حذف، جیسے: ﴿إِنِّيْ أَعِظُكَ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الجَاهِلِيْنَ﴾ اِس کی اصل: أَنْ لاَتَكُوْنَ ہے۔(جلالین، آسان اصول تفسیر)

۱۷- حذفِ موصول: ﴿اٰمَنَّا بِالَّذِيْ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ﴾ اصل میں: وبالذي أنزل إليكم.

۱۸- حذفِ صفت: ﴿يَأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾ اصل میں: سفينة صالحة ہے۔

۱۹- حذفِ معطوف: ﴿لَايَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ﴾ اصل میں: من قبل الفتح ومن أنفق بعده ہے۔

۲۰-حذفِ معطوف علیہ: ﴿اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ، فَانْفَجَرَتْ﴾ اصل میں: فضرب فانفجرت ہے۔

اِطناب

اِطناب: وہ طریقۂ تعبیر ہے جس میں تاکید وتقویت وغیرہ کے فوائد کے لیے اَلفاظ کو معانی سے زیادہ لایا جاتا ہے، جیسے: ﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ"الرُّوْحُ" فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ۝﴾[۱] [القدر:٤].

اِطناب کی دو قسمیں ہیں: اِطنابِ بسط، اِطنابِ زیادت۔

۱- اِطنابِ بسط: ایک ہی مضمون ومعنیٰ کو- ذہن میں راسخ کرنے کی غرض سے- متعدد جملوں میں تفصیل سے بیان کرنا، جیسے: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

۲۱- حذفِ فعل: ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ، مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ؟ لَيَقُوْلُنَّ اللهُ﴾ اصل میں: ليقولن خلقهن الله ہے۔

۲۲- حذفِ تمیز: ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ اصل میں: تسعة عشر مَلَكًا ہے۔

۲۳- حذفِ حرفِ ندا: ﴿أَنْ أَدُّوْٓا إِلَيَّ عِبَادَ اللهِ﴾ اصل میں: يا عباد الله ہے۔

۲۴- جوابِ قسم: ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا...﴾ کے بعد: لَتُبْعَثُنَّ جوابِ قسم محذوف ہے۔

۲۵- حذفِ شرط: ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ، وَيَغْفِرْلَكُمْ﴾ اصل میں: فإن تتبعوني يحببكم الله ہے۔ (الزیادۃ والاحسان)

ملاحظہ: یاد رہے کہ قرآنِ کریم میں حروفِ مشبہ بالفعل کے اَسماء کا، افعالِ ناقصہ کے اَسماء کا، اور أَنْ مصدریہ پر حرفِ جر کا حذف کرنا شائع وذائع ہے؛ اِسی طریقے سے إِذْ ظرفیہ کا متعلَّق عام طور پر محذوف رہتا ہے، اور کبھی کبھی لَوْ شرطیہ کی جزا حذف کردی جاتی ہے۔ ایسی جگہ ادنیٰ تأمل اور غور وفکر سے صحیح مفہوم ومطلب سمجھ میں آسکتا ہے۔

[۱] یہاں روح القدس یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا تذکرہ دو مرتبہ ہوا، اول بار ملائکہ کے عموم میں ضمناً، اور ثانیاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تکریم وتعظیم کو واضح کرتے ہوئے مستقلاً ذکر فرمایا۔ (علم المعانی)

وَالْاَرْضِ (إلیٰ قوله:) لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾[۱] [البقرة: ١٦٤].

۲-اطنابِ زیادۃ: کسی ایک ایسے زائد کلمے یا جملے کو ذکر کرنا جس کے بغیر معنئِ اَصلی تو اَدا ہوجائے؛ لیکن کسی خاص فائدے (تنبیہ، تاکید وغیرہ) کے لیے اُس زائد لفظ یا جملے کو ذکر کرنا۔

ملحوظہ: اِطنابِ زیادت کی صورتیں مندرجۂ ذیل ہیں:

ایک یا چند حروفِ تاکید، حروفِ قسم، حروفِ تنبیہ یا حروفِ زائد کو عبارت میں ذکر کرنا؛ اسی طرح صفت، تاکید، بدل، عطفِ بیان اور تکرار کے ذریعے اِطناب کرنا؛ نیز عطف العام علی الخاص، عطف الخاص علی العام اور اِیضاح بعد الابہام وغیرہ اَسالیب سے اِطناب کرنا۔

---

[۱] اس آیت میں توحید کا مضمون ہے اور خطاب ہر زمانے کے عالم وجاہل، موافق ومخالف تمام اِنسان وجنات سے ہے؛ لہٰذا نہایت بلیغ اِطناب سے کام لیا گیا ہے۔

یعنی: آسمان کے اس قدر وسیع اور اونچا اور بے ستون پیدا کرنے میں اور زمین کے اتنی وسیع اور مضبوط پیدا کرنے، اور اُس کے پانی پر پھیلانے میں، اور رات اور دن کے بدلتے رہنے، اور ان کے گھٹانے اور بڑھانے میں، اور کشتیوں کے دریا میں چلنے میں، اور آسمان سے پانی برسانے، اور اُس سے زمین کو سرسبز وتر وتازہ کرنے میں، اور جملہ حیوانات میں اُس سے توالد وتناسل نشو ونما ہونے میں، اور جہاتِ مختلفہ سے ہواؤں کے چلانے میں، اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں معلق کرنے میں دلائلِ عظیمہ اور کثیرہ ہیں حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت اور حکمت اور رحمت پر اُن کے لیے جو صاحبِ عقل وفکر ہیں۔ (فوائد عثمانی)

اِبدال اور اس کی چار صورتیں

اِبدال: یعنی ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے بدلنا بھی اَسبابِ صعوبت میں سے ہے؛ اس کی مختلف صورتیں حضرت شاہ صاحب نے ذکر فرمائی ہیں:

١- ایک فعل کی جگہ دوسرے فعل کو رکھنا، جیسے: ﴿وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ۝﴾ [الانبیاء:٤٣]،① "أيْ: مِنَّا لَا يُنْصَرُوْنَ" میں لَا يُنْصَرُوْنَ" کے بجائے "لَا يُصْحَبُوْنَ" ذکر فرمایا؛ کیوں کہ اِجتماع اور مصاحبت کے بغیر نُصرت کا تصور نہیں ہوسکتا۔

٢- ایک اِسم کے بجائے دوسرا اِسم ذکر کرنا، جیسے: ﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾② [التحریم: ١٢]، أيْ: مِنَ القَانِتَات اس آیت میں ﴿الْقٰنِتِيْنَ﴾ ذکر فرما کر اِشارہ فرمایا کہ: حضرت مریمؑ عبادت واِطاعت میں کامل مردوں کی طرح تھی۔

٣- ایک حرف کے بجائے دوسرا حرف ذکر کرنا، جیسے: ﴿أُوْلٰئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ﴾③ [المؤمنون:٦١] میں بجائے "إلَيْهَا سَابِقُوْنَ"

---

① یعنی: کیا اپنے فرضی معبودوں کی نسبت خیال ہے کہ وہ ان کی حفاظت کرتے ہیں؛ اور موقع آنے پر خدا تعالیٰ کے غضب سے بچالیں گے؟ سو وہ مسکین ان کی مدد اور حفاظت تو درکنار! خود اپنے وجود کی حفاظت بھی نہیں کرسکتے؛ اگر ان کو کوئی توڑنے پھوڑنے لگے یا کچھ چیز ان کے پاس سے چھین کر لے جائے تو اتنی قدرت نہیں کہ مدافعانہ تحفظ کے لیے خود ہاتھ پاؤں ہلاسکیں یا اپنے بچاؤ کی خاطر ہماری امداد ورفاقت حاصل کرلیں۔ (فوائد عثمانی)

② یعنی: کامل مردوں کی طرح بندگی وطاعت پر ثابت قدم تھی، یا کہو: قانتین کے خاندان سے تھی۔

③ وہ لوگ دوڑ دوڑ کر بھلائیاں لیتے ہیں اور وہ ان بھلائیوں پر سب سے آگے پہنچے، یعنی: ⇐

کے ﴿لَها سَابِقُوْن﴾ فرما کر سبقت کی علّت بیان فرمائی کہ: خیرات ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن کی طرف مسابقت ہونی چاہیے۔

۴- ایک جملے کے بجائے دوسرے جملے کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ﴾(۱) [البقرۃ:۲۲۰] میں: فَلا بَأسَ بِذٰلك کے بجائے ﴿فَاِخْوَانُكُمْ﴾ ذکر فرما کر حکمِ مذکور کی علّت بیان فرمادی کہ: یتیم بچے تمہارے دینی یا نسبی بھائی ہیں، اور بھائیوں میں شرکت اور کھانا کھلانا بے جا نہیں؛ نیز اُن کے ساتھ اُخوّت کی نسبت ذکر فرما کر تلاطُف وترحم پر بھی اُبھارا ہے۔

ملحوظہ: اِبدال کی طرح ''اِحلال'' کا اُسلوب بھی اسبابِ صعوبت میں سے ہے؛ لیکن اِحلال کا اسلوب عموماً فواصل آیات میں اختیار کیا جاتا ہے؛ لہٰذا اس بحث کو ''فواصل القرآن'' کے ضمن میں رکھا گیا ہے۔

⇐ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، کما قال تعالیٰ: ﴿فَاٰتَاهُمُ اللهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَـوَابِ الْآخِرَةِ﴾ [آل عمران: ۱۵] تو درحقیقت اصلی بھلائی اعمالِ صالحہ، اخلاقِ حمیدہ اور ملکاتِ فاضلہ میں ہوئی، نہ کہ اموال واولاد میں، جیسے کفار کا گمان تھا۔ (فوائد عثمانی)

(۱) یعنی: مقصود تو صرف یہ بات ہے کہ: یتیم کے مال کی درستی اور اصلاح ہو، سو جس موقع میں علیٰحدگی میں یتیم کا نفع ہو تو اُس کو اختیار کرنا چاہیے، اور جہاں شرکت میں بہتری نظر آئے تو اُن کا خرچ شامل کرلو تو کچھ مضائقہ نہیں، کہ ایک وقت اُن کی چیز کھالی تو دوسرے وقت اپنی چیز اُن کو کھلادی؛ کیوں کہ وہ یتیم بچے تمہارے دینی یا نسبی بھائی ہیں، اور بھائیوں میں شرکت اور کھانا اور کھلانا بیجا نہیں، ہاں! یہ ضرور ہے کہ اس شرکت سے کس کو خیانت اور افسادِ مالِ یتیم مقصود ہے؟ اور کس کو یتیموں کی اصلاح اور اُن کی نفع رسانی منظور ہے۔ (فوائد عثمانی)

فصلِ دوم: در صعوبات متعلق بہ معانی

محکم ومتشابہ

معلوم ہونا چاہیے کہ: پورے قرآنِ مجید کو باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ [هود: ۱] میں ''محکم'' سے متصف فرمایا ہے، نیز دوسری جگہ باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾ [الزمر: ۲۳] میں ''متشابہ'' سے تعبیر فرمایا ہے؛ جب کہ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ...﴾ میں اکثر آیات کو ''محکم'' اور دیگر بعضے آیات کو ''متشابہ'' سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ: ایک معنیٰ کو دیکھتے ہوئے پورا قرآن مجید محکم بھی ہے اور متشابہ بھی؛ اور دوسرے معنیٰ کو دیکھتے ہوئے اس کا بعض حصہ محکم اور دوسرا بعض متشابہ ہے[۱]۔

---

(۱) اس اِحکام کا مطلب یہ ہوگا کہ: آیت کا معنیٰ ایسا صاف اور واضح ہو جس میں کوئی پوشیدگی نہ ہو۔

علّامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: قرآنِ مجید؛ بلکہ تمام کتبِ الٰہیہ میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں:

ایک وہ جن کی مراد معلوم ومتعین ہو، خواہ: ۱- اس لیے کہ: لغت وترکیب وغیرہ کے لحاظ سے اَلفاظ میں کوئی اِبہام واِجمال نہیں، ۲- نہ عبارت کئی معنیٰ کا اِحتمال رکھتی ہے، ۳- نہ جو مدلول سمجھا گیا وہ عام قواعدِ مسلمہ کے مخالف ہے، ۴- اور یا اِس لیے کہ: عبارت واَلفاظ میں گو لغتاً کئی معنوں کا اِحتمال ہوسکتا تھا؛ لیکن شارع کی نصوصِ مستفیضہ یا اِجماعِ معصوم یا مذہب کے عام اُصولِ مسلّمہ سے قطعاً متعین ہوچکا کہ: متکلم کی مراد وہ معنیٰ نہیں! یہ ہے۔

ایسی آیات کو ''محکمات'' کہتے ہیں، اور فی الحقیقت کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اَصلِ اُصول یہی آیات ہوتی ہیں۔

محکم کی دوصورتیں ہیں: محکمِ عام، محکمِ خاص۔

محکمِ عام: وہ لفظ جس کا معنیٰ (عربِ اوّلین کو دیکھتے ہوئے) بالکل واضح ہو، اس میں کسی کا اختلاف نہ رہا ہو، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾ [هود:۱].

محکمِ خاص ببعض القرآن: وہ محکم جو مقصود بالذات مفہوم ومطلب کے علاوہ دوسرے مطلب کا اِحتمال نہ رکھے؛ یعنی: ایسا صاف دِکھائی دینے والا مفہوم جس میں لفظ ومعنیٰ کے اِعتبار سے کوئی شبہ نہ ہو، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ﴾ [آل عمران: ۷].

ملحوظہ: اِن آیات پر کتاب کی اَصل بنیاد ہے۔

متشابہِ عام: طرزِ کلام کا اِس طور پر یکساں ہونا کہ: کلام کا ایک حصہ کمال، عمدگی اور غایاتِ حمیدہ میں دوسرے حصے کے بالکل مشابہ ہو، باری تعالیٰ فرماتے

آیات کی دوسری قسم ”متشابہات“ کہلاتی ہے، یعنی: جن کی مراد معلوم ومتعین کرنے میں کچھ اِشتباہ والتباس واقع ہوجائے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ: اس دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہیے، جو معنیٰ اُس کے خلاف پڑیں اُن کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیاتِ محکمات کے مخالف نہ ہو۔

اگر باوجود اِجتہاد وسعیٔ بلیغ کے متکلم کی مراد کی پوری پوری تعیین نہ کرسکیں تو دعویٰ ہمہ دانی کر کے ہم کو حد سے نہ گذرنا چاہیے؛ جہاں قلتِ علم اور قصورِ اِستعداد کی وجہ سے بہت سے حقائق پر ہم دسترس نہیں پاسکتے! اِس کو بھی اُسی فہرست میں شامل کرلیں۔ (فوائد عثمانی بتغیر یسیر)

ہیں: ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾[١] [الزمر:٢٣].

متشابہِ خاص ببعض القرآن: آیت کا معنیٰ مخفی اور غیر واضح ہو کہ: غیر راسخ غلطی کرنے والا آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات میں یا کتاب اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں غیر مناسب خیالات میں گرفتار ہوجائے، جیسا کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ﴾.

متشابہِ مخصوص ببعض القرآن، یعنی: متشابہ معنوی وہ متشابہ ہے جس کا معنیٰ جاننا یا تو اِنسان کے بس میں ہی نہ ہو[٢]، یا پھر اس کے معنیٰ سمجھنا غیرِ راسخین پر مخفی ہو[٣]۔

متشابہِ معنوی کی دو صورتیں ہیں: متشابہ حقیقی، متشابہ نِسبی۔

١-متشابہِ حقیقی: وہ متشابہ ہے جس کی پوری حقیقت تک اِنسان کی رَسائی نہ ہوسکے؛ کیوں کہ وہ متعدد معانی کا محتمل ہوتا ہے، جیسے باری تعالیٰ کے لیے سمع وبصر وغیرہ صفات کا اِثبات کرنا؛ اسی طرح باری تعالیٰ کے لیے وجہ، ید وغیرہ نعوت کا اِثبات۔

---

(١) یعنی: صحیح، صادق، مضبوط، نافع معقول اور فصیح وبلیغ ہونے میں کوئی آیت کم نہیں، ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے، مضامین میں کوئی اختلاف وتعارض نہیں؛ بلکہ بہت سی آیات کے مضامین ایسے متشابہ واقع ہوئے ہیں کہ ایک آیت کو دوسری کی طرف لوٹانے سے صحیح تفسیر معلوم ہوجاتی ہے، "القُرْآن يفسِّر بَعْضُه بَعْضًا"؛ اور "مثانی" یعنی دہرائی ہوئی کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے احکام اور مواعظ وقصص کو مختلف پیرایوں میں دہرایا گیا ہے تاکہ اچھی طرح دلنشیں ہوجائیں، نیز تلاوت میں بار بار آیتیں دہرائی جاتی ہیں۔ (فوائد عثمانی)

(٢) جیسے حروفِ مقطعات کے معانی کو سمجھنا، اسی طرح صفاتِ متشابہات کے معانی اگرچہ معلوم ہیں؛ لیکن ان کی حقیقت تک رسائی انسان کے بس کی بات نہیں!

(٣) جیسے دو آیتوں کے درمیان تعارُض کو دور کرنا وغیرہ۔

ملاحظہ: آیاتِ متشابہات – یعنی: حروفِ مقطعات – پر اِجمالی طور پر اِیمان لایا جائے گا؛ کیوں کہ وہ بغرضِ آزمائش نازل فرمائی گئی ہیں۔

ملحوظہ: متشابہِ حقیقی کا حکم: سلف کے نزدیک تنزیہ مع تفویض ہے، یعنی: ید، وجہ وغیرہ صفات کو تقدیس (تجسیم اور اعضاوجوارح کی نفی) کے ساتھ باری تعالیٰ کے لیے اِس طور پر ثابت کیا جائے گا جس سے اُن صفات کے ظاہری ناممکن معانی کے اِثبات سے اِجتناب ہو؛ لہٰذا:

اکثر متقدمین باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَيَبْقىٰ وَجْهُ رَبِّكَ﴾ [الرحمٰن: ۲۷] اور: ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ﴾ [الفتح: ۱۰] کا معنیٰ یہ بیان کریں گے: "لهُ وجهٌ ويدٌ وعَينٌ؛ لٰكِن لا كوُجُوْهنا، ولا كأيْديْنا، ولا كأعيُننا"، باری تعالیٰ کے لیے ید اور وجہ کا معنیٰ حقیقی ثابت ہے، جیسا کہ: اُن کے شایانِ شان ہیں۔

خلف کے نزدیک: تنزیہ مع تاویل ہے، یعنی: ید، وجہ وغیرہ اَلفاظ کو اُن کے ظاہری ناممکن معانی سے پھیر کر اَیسے معانی کا باری تعالیٰ کے لیے اِثبات کیا جائے گا جو لغت کے اِعتبار سے صحیح ہوں اور سیاقِ کلام میں اُن معانی کو مراد لینے کی گنجائش بھی ہو، نیز اس معنیٰ کی تعیین کو قطعی نہ بتایا جائے؛ لہٰذا متأخرین کہیں گے: "ليسَ لهُ وجهٌ كوُجُوْهِنَا، ولا يَدٌ كأيْدِيْنَا"، یعنی: باری تعالیٰ کے لیے ہمارے وجہ، وید کی طرح وجہ، وید نہیں ہیں؛ بلکہ "وَجہ" ذات سے کنایہ ہے اور "ید" صفتِ قدرت سے کنایہ ہے۔

۲– متشابہِ نسبی: وہ متشابہ ہے جس کا معنیٰ غیر راسخین پر مخفی رہے، راسخین پر مخفی

نہ رہے؛ جیسے وہ آیات جن میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے، تفصیل پہلے صفحہ: ۳۷ گذر چکی ہے۔

ملحوظہ متشابہِ نِسبی کا حکم: تمام عُلَما کے نزدیک یہ ہے کہ: اِس کی تفصیلات کی تہہ میں جانا جائز ہے۔

متشابہِ نسبیہ کی انواع

متشابہاتِ نسبیہ کے قبیل سے کنایہ، تعریض اور مجاز کی بحثیں ہیں؛ نیز مشترک، مشکل اور مُجمل کو بھی متشابہاتِ نسبیہ میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے صفاتِ متشابہ کو ''کنایہ'' کے قبیل سے قرار دیا ہے، اور سببِ نزولِ خاص کو ''تعریض'' کے قبیل سے ذکر کیا ہے۔

مجاز کی کل پانچ قسمیں ہیں: مجازِ لغوی کی چار قسمیں: ۱-مجازِ مفرد مرسل (مجازِ مرسل)، ۲-مجازِ مفرد بالاستعارہ (استعارہ)؛ ۳-مجازِ مرکب مرسل (مجازِ مرکب)، ۴-مجازِ مرکب بالاستعارہ (استعارہ تمثیلیہ)؛ اور ۵-ایک قسم مجازِ عقلی [۱]۔

[۱] مجاز: اگر عبارت میں مجاز ہے تو اُس کی تین صورتیں ہیں: مجاز لفظ میں ہوگا، جملے میں ہوگا، یا نسبت میں ہوگا۔

اگر مجاز لفظ میں ہے اور لفظ کے معنیٔ موضوع لہٗ و معنیٔ مستعمل فیہ کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہے تو اسے ''مجازِ مفرد بالاستعارہ'' یا صرف ''استعارہ'' کہتے ہیں، اور اگر غیر تشبیہ کا علاقہ ہے تو اسے ''مجازِ مفرد مرسل'' یا ''مجازِ مرسل'' کہتے ہیں۔

اور اگر مجاز جملے میں ہے اور تشبیہ کا علاقہ ہے تو اُسے ''مجازِ مرکب بالاستعارہ'' یا ''استعارۂ تمثیلیہ'' کہتے ہیں، اور غیرِ تشبیہ کا علاقہ ہو تو اسے ''مجازِ مرکب مرسل'' یا ''مجازِ مرکب'' کہتے ہیں؛ ہاں! ⊂

۱-مَجَازِ مُرسَل: وہ ایسا مجازِ مفرد ہے جس میں لفظ کے معنیٔ حقیقی اور معنیٔ مجازی کے درمیان مشابہت کے علاوہ کا علاقہ (مناسبت و تعلق) ہو، جیسے: ﴿يَجْعَلُوْنَ أَصَابِعَهُمْ فِيْ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ﴾ (۱) [البقرة:۱۹].

۲-مجاز مُرسَل مُرکب: وہ مجاز مرکب ہے جس میں ایک جملہ کو مشابہت کے علاقے کے علاوہ (سببیت، مسببیت وغیرہ) علاقے کی وجہ سے ماوضع لہٗ کے علاوہ معنیٰ میں استعمال کرنا کسی ایسے قرینے کی وجہ سے جو معنی موضوع لہ مراد لینے سے مانع ہو، جیسے:

۱- وہ جملۂ خبریہ جو جملۂ انشائیہ کے معنی میں مستعمل ہو، جیسے: ﴿رَبِّ إِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ (۲) [مريم:٤].

☜ اگر نسبت میں مجاز ہے تو اسے ''مجازِ عقلی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۱) وہ لوگ اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ٹھونستے ہیں (پوروں ٹھونستے ہیں)، یہاں اصابع سے انامل مراد ہیں؛ کیوں کہ اس کا قرینہ یہ ہے کہ: اصابع کو کانوں میں نہیں ٹھونسا جا سکتا؛ لہٰذا اصابع (کل) بول کر انامل (جزو) مراد لینا مجازِ مرسل کے قبیل سے ہے، جن کے درمیان تشبیہ کے علاوہ ''کلیت وجزئیت'' کا تعلق ہے۔

(۲) حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: الٰہی سر کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی چمک رہی ہے اور ہڈیاں تک سوکھنے لگی ہیں! بظاہر موت کا وقت قریب ہے۔ یہ خبر اپنی غرض حقیقی (فائدۃ الخبر یا لازمِ فائدۃ الخبر) کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ اس سے مقصود اظہارِ ضعف ہے اور قرینہ مقامِ خطاب ہے کہ باری تعالیٰ سے خطاب ہے جس سے کوئی بات مخفی نہیں ہے۔ (علم البیان)

ملاحظہ: یہ پورا جملہ مجازِ مرسل مرکب کے قبیل سے ہے؛ البتہ ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ میں استعارۂ مکنیہ اصلیہ تحقیقیہ بھی ہے؛ تفصیل استعارۂ تحقیقیہ کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

۲-وہ جملہ انشائیہ جو خبر کے معنی میں ہو، جیسے: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا﴾(۱) [مريم: ٧٥]؛ أيْ: يَمُدُّ.

۳-اِستِعارہ: وہ مجازِ مفرد ہے جس میں لفظ کو اپنے معنیٔ حقیقی کے علاوہ دوسرے معنی میں استعمال کیا گیا ہو مشابہت کے تعلق (مناسبت) کی وجہ سے، کسی ایسے قرینے کے ساتھ جو لفظ کا معنیٔ حقیقی مراد لینے سے مانع ہو، جیسے: ﴿كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ﴾ [إبراهيم:١]، أي: منَ الضَّلالاتِ إلى الإيْمان؛ اور جیسے منافقین کی حالت کے بارے میں باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾(۲) [البقرة:١٠].

۴-اِستعارہ تَمْثِيلِيّہ: وہ مجازِ مرکب ہے جس میں ایک جملہ تشبیہ کے علاقے کی وجہ سے اپنے معنیٔ موضوع لہٗ کے علاوہ دوسرے معنی میں مستعمل ہو، کسی ایسے قرینہ کے ساتھ جو معنیٔ موضوع لہٗ مراد لینے سے مانع ہو، جیسے: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ

---

(۱) یعنی خدا تعالیٰ کی عادت اور حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ: جو اپنے کسب وارادہ سے کوئی راستہ اختیار کرلے، اس کو نیک وبد سے خبردار کردینے کے بعد اسی راستہ پر چلنے کے لیے ایک حد تک آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں ”فيمُدُّ“ خبر کو ﴿فَلْيَمْدُدْ﴾ امر سے تعبیر فرمایا ہے۔(الزیادۃ والاحسان)

(۲) ترجمہ: یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ تُو لوگوں کو اندھیروں (گمراہیوں) سے اُجالے (نور) کی طرف نکالے۔ دیکھئے یہاں ظلمت ونور کا معنیٔ حقیقی تاریکی وروشنی مراد نہیں ہے؛ کیوں کہ کتاب، سورج اور چراغ کی طرح کوئی ایسی چیز نہیں جو مضیٔ (اُجالہ کرنے والی) ہو؛ یہ قرینہ ہے کہ یہاں: ظلمات (اندھیریاں) بول کر ضلالات (گمراہیاں) مراد لی گئیں ہے۔ جس طرح ضلالات میں عدمِ اہتداء ہے ظلمات میں بھی عدمِ اہتداء ہے، گویا معنیٔ ضلالات کو عدمِ اہتداء میں معنیٔ ظلمات سے تشبیہ دی ہے اور اسی طرح ایمان کو نور کے ساتھ تشبیہ دی ہے اہتداء میں۔(علم البیان)

اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾[1] [الحجرات:۱]

۵-مجازِ عقلی: وہ مجاز ہے جس میں فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت-کسی علاقہ کی وجہ سے-ما ھولہ کے علاوہ ایسے مُلابس ومتعلق کی طرف کرنا جن دونوں (ماھولہ اور غیر ماھولہ) میں کوئی مناسبت بھی ہو اور ساتھ ہی کوئی ایسا قرینہ بھی ہو جو حقیقی نسبت مراد لینے سے مانع بھی ہو، جیسے: ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى، "فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ" وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾[2] [البقرة:۱۶].

آیتِ ثانیہ: اس آیت میں نفاق کا معنی مشبہ اور مستعارلہٗ ہے، مرض کا معنی مشبہ بہ اور مستعار منہ ہے اور لفظ (مرض) مستعار ہے؛ اور وجہِ جامع افساد ہے۔

یہاں نفاق کے لیے مرضِ جسمانی کو مستعار لیا گیا ہے اس وجہِ جامع کی وجہ سے کہ دونوں ہی چیزیں بگاڑ پیدا کرتی ہیں، مرض یہ جسموں کو اور نفاق، دلوں کو خراب کر دیتا ہے؛ اور آیت میں مرضِ جسمانی مراد لینے سے قرینۂ مانعہ یہ ہے کہ: مذکورہ آیتِ کریمہ ان منافقین کی برائی بیان کرنے کے لیے اتاری گئی ہے جو دلوں میں کفر چھپاتے ہیں اور اسلام کو ظاہر کرتے ہیں؛ پس ان کے مرضِ جسمانی کو بیان کرنا ان کی بری خصلت نہ ہوئی؛ بلکہ دلوں کے فساد کو بیان کرنا بری خصلت ہوگی۔ (علم البیان)

ملاحظہ: استعارہ درحقیقت تشبیہ ہی کی ایک قسم ہے جس کے طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) میں سے کسی ایک طَرَف کو اور وجہِ شبہ وادات شبہ کو حذف کر دیا جاتا ہے، اسی کا نام "استعارہ" ہے۔

(۱) یعنی جس معاملہ میں حکمِ الٰہی ملنے کی توقع ہو وہاں پہلے ہی سے آگے بڑھ کر اپنی رائے سے کوئی فیصلہ نہ کر بیٹھو! دیکھئے یہاں المُتَعَجِّل بِالحُكْمِ قَبْلَ إِذْنِ اللهِ بِهِ کو تشبیہ دی ہے (یعنی مثال بیان کی ہے) اس آدمی کی حالت سے جو المُتَقَدِّمُ بَيْنَ يَدَيْ مَتْبُوْعِه حِيْنَ المَشْي یعنی "تابع کا چلتے ہوئے اپنے متبوع کے آگے بڑھ جانے والے" سے اور دونوں میں جامع "عدمِ متابعت" ہے۔

(۲) یہاں ﴿رَبِحَتْ﴾ کی نسبت ﴿تِجَارَتُهُمْ﴾ کی طرف کرنا مجازاً ہے؛ کیوں کہ یہاں "رَبِحَ" (کامیاب ہونا) کا فاعلِ حقیقی مشتری ہے اور اصل عبارت "فما ربح المشترون في تجارتهم" ہے، اور اس آیت میں ربح کی نسبت بجائے فاعل کے تجارت کی طرف کر لی گئی ہے؛ کیوں کہ ربح کا تلبس

کنایہ: وہ لفظ ہے جس کو بول کر اس کے معنئ موضوع لہ کے لازم کو مراد لیا گیا ہو، معنئ موضوع لہ کو مراد لینے کے جواز کے ساتھ، جیسے: ﴿وَيَوْمَ "يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ" يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا﴾① [الفرقان:۲۷].

تعریض: یہ ہے کہ: متکلم اپنے کلام کو غیر مذکور موصوف کے لیے ثابت کرے؛ مثلاً: خطاب کسی ایک سے ہو اور مراد اس کا غیر ہو، جس مراد کو سمجھنا سِیاقِ کلام پر موقوف ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ﴾ [یٰس: ۲۳]، أي: مَا لَكُمْ لاَ تَعْبُدُوْنَهُ؛ ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر:٦٥]؛ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ②.

⇐ تجارت کے ساتھ اس حیثیت سے ہے کہ رِبح تجارت پر واقع ہوا ہے جس تجارت کو وقوع ربح سے ادنیٰ تلبس کی بناء پر مفعول سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس آیت میں نفع حاصل کرنے کی نسبت، تجارت کی طرف کی گئی ہے؛ حالاں کہ نفع حاصل کرنے والا تو تاجر ہے نہ کہ تجارت؛ اس نسبت کو اسنادِ مجازی یا مجازِ عقلی کہتے ہیں۔ (علم المعانی) بزیادۃ

ملاحظہ: تعریف میں قرینہ کو لفظ مانعہ سے مقید کرنے میں کنایہ سے احتراز مقصود ہے؛ کیوں کہ کنایہ میں معنئ اصلی مراد لینے سے مانع کوئی قرینہ نہیں ہوتا، جب کے مجاز میں وہ قرینہ مانع ہوتا ہے؛ اور یہی مجاز اور کنایہ کے درمیان فرق ہے۔ (علم البیان)

① دیکھئے یہاں ﴿يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ﴾ یعنی: ظالم محشر کے دن اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا، بول کر اس جملے کا لازمِ معنی: "ظالم کا نادم وشرمسار ہونا" مراد لیا گیا ہے؛ کیوں کہ عادۃً پشیمان آدمی مارے ندامت کے اپنے ہاتھوں (انگلیوں) کو منھ میں ڈال لیتا ہے۔ یہاں کافر کے نادم اور شرمندہ ہونے کو "العض علی الیدین" ہاتھ کاٹ کھانا، سے تعبیر فرمایا۔

② پہلی مثال میں ایک مردِ صالح نے بات اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنایا کہ: تم کو آخر کیا ہوا کہ جس نے پیدا کیا اُس کی بندگی نہ کرو! اور اس کا قرینہ ﴿وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾؛ ہے؛ کیوں کہ اگر اپنی ہی ⇐

مشکل، مشترک اور مجمل

امام محمد بن احمد عَقیلہ مکی نے اپنی مشہور ومبسوط کتاب ''الزیادۃ والاحسان'' میں ''مشکل'' کو متشابہ کی نظیر بتلایا ہے، نیز ''مشترک'' اور ''مجمل'' کو بھی متشابہ میں شمار کیا ہے؛ کیوں کہ دونوں ہی میں دو معنوں میں سے ایک کو مراد لینا ایسا مشتبہ ہوتا ہے کہ دونوں میں تمیز کرنا دشوار رہتا ہے۔

مشترک: وہ لفظ ہے جو دو یا اس سے زیادہ معنوں کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے: ''عین'' اس کے معنیٰ آنکھ کے بھی ہیں اور پانی کے چشمہ کے بھی، یا ''مِنْ'' اس کے معنیٰ بعض کے بھی ہیں اور ابتدا کے بھی، جیسے: ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ﴾ (۱) [البقرۃ: ۲۲۸].

مشکل: وہ ہے جس کا معنیٰ بذاتِ خود واضح نہ ہو، جیسے: ﴿قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا﴾ (۲) [الدھر: ۱٦].

بات ہوتی تو ''وإلیه أرجع'' فرماتے؛ دوسری مثال میں رسول سے خطاب فرما کر لوگوں کو یہ بتلانا ہے کہ: شرک اتنی بُری چیز ہے کہ اس سے تمام کیا کرایا مبہوت ہوجایا کرتا ہے؛ اسی طرح حدیث پاک کا ایک معنیٰ ضرور ہے، لیکن تکلیف دینے والے کے سامنے یہ حدیث پڑھ کر یہ تعریض مقصود ہوتی ہے کہ: تجھ میں اسلام کی خوبی نہیں ہے۔ (علم البیان، الزیادہ)

(۱) قُرُوْء: کے معنیٰ حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی؛ لیکن احناف نے حیض کا معنیٰ مراد لیا؛ کیوں کہ عدت کا مقصد فراغتِ رحم کو جاننا ہے اور یہ حیض ہی سے معلوم ہوتا ہے، حدیث میں باندی کی عدت دو حیض قرار دی گئی اور، اور قرآن نے حیض سے مایوس عورتوں کی عدت تین ماہ مقرر کی ہے۔ (نساء: ۴)

(۲) قارورہ شیشہ کا ہوتا ہے نہ کہ چاندی کا، پھر غور وفکر سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے

مجمل: وہ ہے جس میں اس درجہ ابہام ہو کہ خود شارع یا متکلم کی وضاحت کے بغیر دور نہ ہو سکے، جیسے: ﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ [۱] [المزمل:۲۰].

علمِ وجوہ ونظائر اور اَفراد

اس کا تفصیلی بیان باب: دوم کی فصل: دوم میں مذکور خاتمہ میں، پر آ گیا ہے۔

فصلِ سوم: در صعوبات متعلق بہ اصطلاحات

اس سے متعلق دو بحثیں ہیں: سببِ نزول اور نسخ؛ ان دونوں بحثوں کا تفصیلی بیان بھی باب: دوم کی فصل: دوم میں مذکور دو بحثوں کے ضمن میں، پر آ گیا ہے۔

← کہ قارورۂ جنت صفائی میں شیشہ اور سفیدی میں چاندی کی طرح ہوگا۔

[۱] اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کی کیفیت اور شرائط واحکام اس آیت سے معلوم نہیں ہوتے؛ اس لیے یہ مجمل ہے، ہاں کہ جب شارع یا متکلم کی طرف سے وضاحت کر دی جاتی ہے تو وہ ''مفسر'' بن جاتا ہے؛ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوں کہ اپنے اعمال کے ذریعہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کی تفسیر کر دی ہے؛ اس لیے اب یہ مجمل باقی نہیں رہے۔

بابِ چہارم

در فواصل قرآن

فواصل قرآن

یہ بیان علمِ بدیع میں مذکور ''سجع'' کی بحث سے متعلق ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ: عرب حضرات جملوں کی اِنتہا کو بڑی اہمیت دیتے تھے؛ بلکہ اس امر کو اپنی توجہات کا مرکز بنائے ہوئے تھے؛ کیوں کہ اُس سے ایک طرف نفس کو آرام ملتا ہے، تو دوسری طرف یہ فواصل کا توافق ایسی سریلی آواز پیدا کرتا ہے جو نفس میں سِرایت کر کے متکلم وسامع پر اپنا خاص اَثر ڈالتی ہے، جیسے روح جسم میں سرایت کر کے اپنا خاص اَثر دِکھاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ: فواصلِ آیات کی رِعایت یہ کلامِ الٰہی کی وہ خصوصیت ہے جو بذاتِ خود اِعجازِ قرآن کے مظاہر میں سے ایک مظہر ثابت ہوئی ہے؛ کیوں کہ اس کلام میں پے درپے آنے والی نغمہ دار آیات وفواصل میں توافق کے ساتھ اَلفاظ کی خوشگواری، فوائد ونکات کی بہتات، عمدہ معانی کو سمیٹنا اور ایسی دقیق منظر کشی پر مشتمل ہے جس کا کلامِ معجز کے علاوہ کلام میں تصوُّر تک نہیں۔

فصلِ اوّل: دراَقسامِ فواصل

مَقاطعِ قرآن (قرآن مجید کے اوقاف) کے اعتبار سے فواصلِ آیات کی صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- حروفِ مقاطع کے اعتبار سے دو صورتیں ہیں: فاصلۂ متماثلہ، فاصلۂ متقاربہ۔

فاصلہٗ متماثلہ: مقاطعِ کلام کے حروف میں تماثل ہو، جیسے: ﴿وَالطُّوْرِ ۝١ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝٢﴾ [الطور:١ - ٢] میں حرفِ راء.

فاصلہٗ متقاربہ: مقاطعِ کلام کے حروف قریب المخارج ہوں، جیسے: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣﴾ میں نون اور میم۔

۲- مقاطع کے وزن اور حرفِ رَوِی کے اعتبار سے تین صورتیں ہیں: فاصلہٗ متوازیہ، فاصلہٗ متوازنہ، فاصلہٗ مُطرِفہ۔

فاصلہٗ متوازیہ: دو فاصلے وزن ورَوِی میں موافق ہوں، جیسے: ﴿فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝١٣ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝١٤﴾ میں دونوں کے مقاطع "مَفْعُوْلَةْ" کے وزن پر ہیں اور رَوِی "حرفِ عین" ہے [1]۔

فاصلہٗ متوازنہ: دو فاصلے وزن میں متفق ہوں اور حرفِ روی میں مختلف ہوں، جیسے: ﴿وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝١٥ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝١٦﴾ [الغاشية] میں دونوں مقاطع "مَفْعُوْلَةْ" کے وزن پر ہیں؛ لیکن حرف رَوِی: فاء اور ثاء مختلف ہیں [2]۔

---

(۱) روی: وہ حرف ہے جس پر نظم وقصیدہ کی بنیاد ہوتی ہے، جیسے: ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝١٣ وَّإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝١٤﴾ [انفطار ١٣-١٤]، اس مثال میں حرفِ "میم" حرفِ رَوِی ہے۔

(۲) وزنِ عروضی: وہ لگاتار (یکے بعد دیگرے آنے والی) حرکات وسکنات ہیں جو قواعدِ علمِ عروض کے مطابق ہوں، جن پر اشعار تیار کیے جاتے ہیں؛ چاہے وہ کوئی سی بھی بحر سے متعلق ہو۔

وزنِ شعری تین چیزوں سے ترکیب پاتی ہے: سبب (دو حروف)، وتد (تین حروف کے مجموعہ) اور فاصلہ (تین یا چار حرفوں کا مجموعہ) سے، ہر ایک کی بالترتیب مثالیں یہ ہیں؛ سبب، جیسے: لَكَ[//]، هَبْ[/★]؛ وتِد، جیسے: نَعَمْ،[//★]، مَاتَ[★/]؛ فاصلہ، جیسے: سَكَنُوْا[///★]، قَتَلَهُمْ،[////★]۔

آنے والی مثال میں: نَعِيْمِنْ جَحِيْمِنْ وتدِ مجموع اور سببِ خفیف سے مرکب ہے۔

فاصلۂ مطرفہ: دو فاصلے حرفِ روی میں متفق اور وزن میں مختلف ہوں، جیسے:

﴿اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا۝۲۵ جَزَآءً وِّفَاقًا۝۲۶ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا۝۲۷ وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا۝۲۸﴾ [النبأ: ۲۵ - ۲۷] میں حرفِ روِی قاف میں دو جگہ اور باء میں دو جگہ اِتفاق ہے؛ لیکن وزنِ عروضی دونوں کا مختلف ہے۔

فصلِ دوم: در مقتضیاتِ فواصلِ قرآن

فواصلِ آیات میں سُر سے سُر ملانے کی اہمیت

جب فواصلِ آیات تسلسل کے ساتھ صحیح طرز پر ہوتے ہیں تو دِل میں ایک خاص اَثر ڈالتے ہیں؛ اسی وجہ سے کلام میں مقتضائے حال کے خلاف مندرجۂ ذیل تصرفات کیے جاتے ہیں:

۱- فواصل کی رعایت کے لیے کلمے میں ایک یا زیادہ حروف کو بڑھانا، مثلاً: ﴿الظُّنُوْنَا﴾، اور ﴿الرَّسُوْلَا﴾ کے شروع میں الف لام ہوتے ہوئے ان کے اخیر میں تنوین کو بصورتِ الف لایا گیا ہے؛ کیوں کہ: دوسرے فواصل میں نصب کی تنوین ہے جو حالت وقف میں اَلف سے بدل جاتی ہے۔

۲- فواصل کی رعایت میں کسی حرف کو حذف کرنا، جیسے: کلمۂ ''يَسْرِيْ'' سے ''یاء'' کو حذف کرنا، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالْفَجْرِ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ۝۴﴾ [الفجر: ۱- ٤].

۳-فواصل کی رعایت میں تقدیم ماحقہ التاخیر کرنا، جیسے: ﴿وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ﴾ [القمر:٤١] میں ﴿النُّذُرُ﴾ فاعل کو ﴿اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ مفعول سے مؤخر کرنا؛ کیوں کہ سورت کے سارے فواصل کی بنیاد ''راء'' پر ہے۔

۴-جمع کی جگہ صیغۂ مفرد لانا، جیسے: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ﴾ [القمر:٥٤] میں: فِيْ جَنّٰتٍ وَّاَنْهَارٍ کے بجائے ﴿فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ﴾ فرمایا۔

۵-مفرد کے بجائے صیغۂ جمع لانا، جیسے: ﴿لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ﴾ [إبراهيم:٣١]؛ میں: وَلَا خُلَّةٌ کے بجائے ﴿وَلَا خِلٰلٌ﴾ فرمایا؛ کیوں کہ دوسرے فواصل: ﴿بَوَارْ، قَرَارْ، النَّارْ، خِلٰلْ﴾ میں سانس محلِ وقف سے پہلے والے الف حرفِ مدہ پر منتہی ہوتی ہے؛ اور یہ بات ''خُلَّةٌ'' میں نہیں ہے۔

٦-بجائے مذکر کے صیغۂ مؤنث سے تعبیر کرنا، جیسے: ﴿كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ﴾ [عبس: ١١] میں یہ ضمیر قرآنِ مجید کی طرف راجع ہے؛ لیکن خبر ﴿تَذْكِرَةٌ﴾ کی رعایت میں ضمیر کو مؤنث لائے تاکہ: ﴿تَذْكِرَةْ، ذَكَرَهْ، مُكَرَّمَةْ، مُطَهَّرَةْ﴾ وغیرہ فواصل میں موافقت ہوجائے۔

۷-کلمۂ غیر منصرف کو منصرف بنادینا، جیسے: ﴿وَاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا﴾ [الدهر:١٥-١٦]، میں ﴿قَوَارِيْرَا﴾ جمع منتہی الجموع ہونے کے باوجود منصرف مستعمل ہوا ہے؛ کیوں کہ اس سورت کے فواصل پر الف حرفِ مدہ واقع ہوا ہے۔

۸-صیغۂ ماضی سے صیغۂ مضارع کی طرف عدول کرنا، جیسے: ﴿فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ [البقرۃ:۸۷] میں: وَفَرِيْقًا قَتَلْتُمْ کے بجائے ﴿وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ فرمایا؛ کیوں کہ پہلے کے فواصل: ﴿تَشْهَدُوْن، تَعْمَلُوْن، لَا يُنْصَرُوْن، تَقْتُلُوْن﴾ ہیں۔

۹-اِیقاع (سُر سے سُر مِلانا) کی غرض سے کسی صیغے کی بناوٹ میں تبدیلی کرنا، جیسے: ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ۝﴾ [التين: ۱- ۳] میں ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ سے وہی طُوْرِ سَيْنَاء مراد ہے جو باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ﴾ [المؤمنون:۲۰] میں ہے؛ لیکن اس سورت کے فواصل میں حرفِ نون اور اس سے پہلے حرفِ مدہ ہیں؛ لہٰذا اس سورت میں: طُوْرِ سَيْنَآءَ کے بجائے ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ ارشاد فرمایا۔

فصلِ سوم: در اَنواعِ فواصل

صنعتِ اِحلال اور اس کی دس صورتیں

اِحلال: کسی بلیغ اَنوکھے نکتے - بالخصوص رعایتِ فواصل - کے پیشِ نظر متکلم اَجزائے کلام کو مقتضائے حال کے برخلاف کسی دوسرے اُسلوب میں پیش کرے، مثلاً:

۱-صیغۂ اسمِ مفعول کی جگہ صیغۂ اسمِ فاعل رکھنا، جیسے: ﴿خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ۝۶﴾ [الطارق:٦] میں ﴿دَافِقٍ﴾ صیغۂ فاعل کو مَدْفُوْق (اچھلے ہوئے) کی جگہ ذکر فرمایا ہے؛ کیوں کہ اس کے بعد والے فواصل: ﴿التَّرَائِبِ۝۷، لَقَادِرٌ۝۸، السَّرَائِرُ۝۹﴾ میں فاصلہ سے دو حروف پہلے حرفِ مدہ الف آ رہا ہے۔

۲-صیغۂ اسمِ فاعل کی جگہ صیغۂ اسمِ مفعول رکھنا، جیسے: ﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۝۴۵﴾ [الإسراء:٤٥]، أيْ: سَاتِرا؛ میں ﴿مَّسْتُوْرًا۝۴۵﴾ صیغۂ مفعول کو سَاتِرا (چھپانے والا) کی جگہ رکھا ہے؛ کیوں کہ اس جگہ فواصل: غَفُوْرا۝۴۴ مَسْتُوْرا۝۴۵ نُفُوْرا۝۴۶ مَسْحُوْرا۝۴۷﴾ ہیں جو ﴿مَّسْتُوْرًا﴾ کے مناسب ہیں۔

نکتہ: مزید یہ بھی بتلایا کہ: جب حجاب خود مستور ہے تو حجاب کے اَندر والی چیز تو بطریقِ اَولیٰ مستور ہوگی۔

۳-تثنیہ کی جگہ مفرد کو رکھنا، جیسے: ﴿قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى۝۴۹﴾ [طٰہٰ:٤٩] میں رعایتِ فواصل میں صرف موسیٰ کا ذکر فرمایا، حالاں کہ خطاب موسیٰ وہارون -علیہما الصلاۃ والسلام- دونوں کو تھا۔

نکتہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اَصل ہونے اور ہارون کے معاوِن اور مددگار ہونے کی طرف بھی اِشارہ ہے؛ کیوں کہ صاحبِ معجزات (عصا و ید وغیرہ) حضرت موسیٰ ہی تھے۔

۴-جمع کی جگہ مفرد ذکر کرنا، جیسے: ﴿وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا﴿۵۱﴾﴾ [الكهف:۵۱]، یہاں ﴿عَضُدًا﴾ کو مفرد ذکر کیا؛ کیوں کہ دیگر رؤوسِ آیات مفرد کی صورت میں ہیں، جیسے: ﴿عُمْيَانًا، إِمَامًا، سَلَامًا﴾.

نکتہ: یہ بھی بتلا دیا کہ: گمراہ لوگوں کا منہج چوں کہ ایک ہی ہوتا ہے؛ لٰہذا تمام مضلین کی حالت ایک ہی شخص کی طرح ہوتی ہے۔

۵-مفرد کی جگہ تثنیہ کو رکھنا، جیسے: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴿۴۶﴾﴾ [الرحمٰن:۴٦] میں رعایتِ فواصل میں جنت کے لفظ کو بصورتِ تثنیہ ذکر فرمایا ہے۔

نکتہ: مختلف قسم کے اَسالیب میں کلام پیش کرنا؛ تا کہ قرآنِ مجید میں جنت کا تذکرہ واحد، تثنیہ اور جمع تینوں اُسلوبوں میں آجائے۔

٦-تثنیہ کی جگہ جمع کا صیغہ ذکر کرنا، جیسے: ﴿قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ﴿۱۱﴾﴾ [فصلت:۱۱]؛ یہاں فواصل: ﴿لِلسَّائِلِيْن، طَائِعِيْن، العَلِيْم﴾ حرفِ مد کے ساتھ ہیں، لٰہذا اِیقاع (کلام کے سِروں کی مَوزونیت برقرار رکھنے) کی غرض سے صیغۂ جمع ذکر فرمایا۔

۷-صیغۂ غیر عاقل کی جگہ صیغۂ عاقل ذکر کرنا، جیسے: ﴿يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ﴿۴﴾﴾ [يوسف:۴] یہاں قیاس کے مطابق سَاجِدَات، آنا چاہیے تھا؛ لیکن فواصلِ آیات حرفِ نون سے ہیں؛ لٰہذا عاقل کے لیے مستعمل صیغہ اِستعمال فرمایا۔

نکتہ: شمس وقمر اور کواکب اگرچہ غیر عاقل ہیں؛ لیکن یہاں اُن سے صادر

ہونے والا فعل (سجدہ کرنا) عاقلوں کے ساتھ مختص ہے؛ مزید یہ کہ: خواب کی تعبیر کے اِعتبار سے سجدہ کرنے والے برادرانِ یوسف اور والدین تھے؛ لہٰذا صیغۂ عاقل لانا ہی زیادہ موزون تھا۔

۸-صیغۂ مذکر کی جگہ صیغۂ مؤنث ذکر کرنا، جیسے: ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ﴿۱۴﴾﴾ [القیامة:۱٤] یہاں إنسان مبتدائے مذکر کی خبر ﴿بَصِیْرَةٌ﴾ صیغۂ مؤنث کے ساتھ ذکر فرمائی؛ کیوں کہ دیگر فواصل میں ''ہاء'' ہے۔

نکتہ: خبر کو بصورتِ مؤنث لاکر اِشارہ فرمایا کہ: بُرے کاموں پر اُبھارنے والا نفس ہی ہوتا ہے اور وہ مؤنث مستعمل ہے؛ نیز گول تاء (ۃ) چوں کہ مبالغہ پر دال ہے، جیسے: ''علامۃ'' میں ہے، اُسی طرح یہاں پر بھی مبالغہ کا اَثر ہے۔

۹-صیغۂ مؤنث کی جگہ صیغۂ مذکر ذکر کرنا، جیسے: ﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ﴿۱۲﴾﴾ [التحریم: ۱۲]؛ یہاں فواصل: ﴿الدّٰخِلِیْنَ﴿۱۰﴾ الظَّالِمِیْنَ﴿۱۱﴾ القَانِتِیْنَ﴿۱۲﴾﴾ حرفِ نون سے آئے ہیں، اس وجہ سے بجائے قانتات کے ﴿القَانِتِیْنَ﴿۱۲﴾﴾ ذکر فرمایا۔

نکتہ: ایک خاص اِشارہ ہے کہ: مریم بنتِ عمران طاعت وعبادت میں مردوں کے مشابہ تھیں، چناں چہ وہ عقلمندی و دِین داری میں بڑے مَردوں کی طرح ثابت ہوئیں، اس کو بتلانے کے لیے اُسے صیغۂ مذکر سے تعبیر فرمایا۔

۱۰-ایک حرفِ جر کی جگہ دوسرے حرفِ جر کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا﴿۵﴾﴾ [الزلزال:۵]، یہاں چوں کہ فواصل: ﴿زِلْزَالَهَا﴿۱﴾ أَثْقَالَهَا﴿۲﴾

مَالَهَا﴿۳﴾ ہیں جن میں حرفِ جرلام ہے، اب اگر ﴿اَوْحٰى لَهَا﴿۵﴾﴾ کے بجائے "اَوْحٰى إِلَيْهَا" فرماتے تو کلمۂ "لَهَا" کی بار بار تکرار سے پیدا ہونے والا نغمہ اور فواصل کی موزونیت باقی نہ رہتی۔

صنعتِ اِیثار اور اس کی نو صورتیں

ایثار: فواصلِ آیات یا کسی خاص نکتہ کے پیشِ نظر قرآنِ مجید یا عربی زبان میں بہ کثرت استعمال ہونے والے لفظ یا تعبیر کے بجائے قلیل الاستعمال لفظ یا تعبیر کو اختیار کرنا "ایثار" کہلاتا ہے، ایثار کی صورتیں مندرجہ ذیل ہیں [۱]:

۱- قرآنِ مجید یا عربی زبان میں کثیر الاستعمال مبالغہ کے صیغوں کے بجائے قلیل الاستعمال صیغہ کو ترجیح دینا، جیسے: ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا، اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴿۵﴾﴾ [ص: ۵]۔

اس آیت میں قلیل الاستعمال صیغۂ فُعَالٌ کو فواصل: كَذَّابٌ﴿۴﴾ عُجَابٌ﴿۵﴾ يُرَادُ﴿۶﴾ کی رعایت میں کثیر الاستعمال صیغۂ فَعِيْلٌ پر ترجیح دی گئی ہے؛ حالاں کہ صیغۂ فَعِيْلٌ قرآن مجید میں اور دو جگہ مستعمل ہے: ﴿قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا؛ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ﴿۷۲﴾﴾ [هود: ۷۲]، ﴿بَلْ

---

[۱] اِحلال وایثار کے درمیان فرق یہ ہے کہ: اِحلال میں موافقِ قیاس (مقتضائے حال کے مطابق) صیغہ یا اسلوب کے برخلاف دوسرا صیغہ یا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جب کہ ایثار میں کثیر الاستعمال صیغہ یا اسلوب کے بجائے قلیل الاستعمال صیغہ یا اسلوب کو ترجیح دی جاتی ہے۔ (محمد الیاس)

عَجِبُوْا اَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ، فَقَالَ الْكَافِرُوْنَ: هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ﴿٢﴾ (١)

[ق: ٢]۔

٢-صیغۂ مبالغہ کے بجائے اسمِ تفضیل کو ترجیح دینا، جیسے: (٢) ﴿اِقْرَأْ وَرَبُّكَ "الاَكْرَمُ"﴿٣﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴿٤﴾ عَلَّمَ الاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ﴾ [العلق: ٣-٥].

اس آیت میں قلیل الاستعمال صیغۂ اسمِ تفضیل: الاَكْرَمْ﴿٣﴾ کو فواصل: الاَكْرَمْ﴿٣﴾ بالقلم﴿٤﴾ یعلم﴿٥﴾ کی رعایت میں کثیر الاستعمال صیغۂ کَرِيْمٌ پر ترجیح دی گئی ہے۔

٣-ایک جمع مکسر کے صیغے کو دوسرے صیغے پر ترجیح دینا، جیسے: ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴿١﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴿٢﴾﴾ [التکاثر: ١-٢]۔

قرآن مجید میں القُبُوْر، جمعُ: قَبْر کا لفظ پانچ جگہوں پر آیا ہے؛ لیکن سورۂ تکاثر میں پہلے والے فاصلے: ﴿التَّكَاثُر﴿١﴾﴾ کی رعایت میں قرآنِ مجید میں قلیل الاستعمال لفظ ﴿الْمَقَابِرَ﴿٢﴾﴾ جمعُ: مَقْبَرَة کو ترجیح دی گئی ہے۔

---

(١) عربی زبان میں مبالغہ کے صیغے بہت زیادہ ہیں؛ لیکن نحات نے کثیر الاستعمال صیغے پانچ شمار کرائے ہیں: فَعِيْلٌ، فُعُوْلٌ، فعَّالٌ، مِفْعَالٌ، فَعِلٌ؛ فواصلِ قرآنیہ میں مذکورہ صِیَغِ مبالغہ میں سے: فَعِيْلٌ، کا صیغہ بہ کثرت مستعمل ہے؛ جب کہ قلیل اور نادر الاستعمال صیغے یہ ہیں: فَاعُوْلٌ، مِثْل: فَارُوْقٌ؛ فِعِّيْلٌ، مِثْل: سِكِّيْرٌ؛ مِفْعَلٌ، مِثْل: مِكَرٌّ وَمِفَرٌّ؛ فُعَالٌ، مِثْل: عُجَابٌ؛ فُعَّالٌ، مِثْل: كُبَّارٌ۔

(٢) اسم تفضیل کا صیغہ کسی وصف میں مشترک دو یا چند ذوات کے درمیان تفاوُت بیان کرنے کے لیے آتا ہے؛ لیکن جب اسم تفضیل کا استعمال باری تعالیٰ کے حق میں ہو تو اس وقت مطلق قدرت پر دلالت مقصود ہوتی ہے؛ اسی وجہ سے ایسے مواقع میں عموماً مفضل علیہ کو حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے: ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الاَعْلٰى﴾ [الاعلیٰ: ١١]۔

۴-اسمِ فاعل کے صیغے کو اسمِ موصول کے صیغے پر ترجیح دینا، جیسے:

﴿فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا، وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْنَ۞﴾ [العنکبوت: ۳]۔

اس آیت میں الَّذِيْنَ صَدَقُوْا کا تقابل یہ تقاضا کرتا ہے کہ آیت کا اختتام بھی وَلَيَعْلَمَنَّ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا پر ہوتا؛ لیکن فواصل آیات: لَا يُفْتَنُوْنَ۞ الكَاذِبِيْنَ۞ مَا يَحْكُمُوْنَ۞ کی رعایت میں اسمِ موصول کے بجائے اسمِ فاعل سے تعبیر کو ترجیح دی گئی ہے۔

۵-مصدر مؤکد (مفعولِ مطلق) ذکر کرتے وقت جملے میں مذکور فعل کے مصدر کے علاوہ دوسرے فعل کے مصدر کو ترجیح دینا، جیسے: ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا۞﴾[1] [المزمل: ۸]۔

اس آیت میں رعایتِ فواصل: طَوِيْلًا۞ تَبْتِيْلًا۞ وَكِيْلًا۞ میں بجائے تَبَتُّلًا مصدرِ مؤکد از بابِ تفعل کے تَبْتِيْلًا بابِ تفعیل سے مصدر لانے کو ترجیح دی ہے۔

۶-صیغۂ مضارع کو صیغۂ ماضی پر ترجیح دینا، جیسے: ﴿فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ، وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ۞﴾ [البقرۃ: ۸۷]۔

اس جگہ فواصلِ نونیہ: تَعْمَلُوْنَ۞ يُنْصَرُوْنَ۞ تَقْتُلُوْنَ۞ يُؤْمِنُوْنَ۞ کی رعایت میں صیغۂ مضارع ﴿تَقْتُلُوْنَ۞﴾ کو ترجیح دی گئی ہے اور ماقبل میں مذکور

---

[1] مذکورہ فعل سے مصدرِ مؤکد (مفعولِ مطلق) لانا کثیر الاستعمال ہے، جب کہ اس کے علاوہ فعل سے مصدرِ مؤکد لانا قلیل ہے۔

صیغۂ: كَذَّبْتُمْ کی رعایت میں صیغۂ ماضی قَتَلُوْا سے تعبیر چھوڑ دی ہے۔

۷- کسی چیز کو اس کے نام سے تعبیر کرنے کے بجائے اس کی صفت سے تعبیر کرنے کو ترجیح دینا، جیسے: ﴿وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ﴾ [القمر: ۱۳]۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: ہم نے ہولناک طوفان کے وقت نوح -علیہ السلام- کو ایک تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا۔

دیکھئے! سورۂ قمر کے تمام فواصل حرفِ راء پر ہیں؛ لہٰذا کشتی کو تعبیر کرنے میں اس کے نام: سَفِيْنَة اور فُلْك کو ذکر کرنے کے بجائے اس کی صفت: ذَاتِ اَلْوَاحٍ ودُسُر بیان کرنے کو ترجیح دی ہے، تاکہ فواصل کی رعایت باقی رہے۔

۸- معنی کی غرابت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے غریب (متروک یا قلیل الاستعمال) لفظ کو کثیر الاستعمال لفظ پر ترجیح دینا، جیسے: ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ [النجم: ۲۱ - ۲۲]۔

کفار اِن بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، سو اول تو خدائے تعالیٰ کی ذات لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے، پھر بھی بالفرض اولاد کا نظریہ تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ تقسیم کس قدر بھونڈی اور ظالمانہ ہے کہ تم خود تو بیٹے لے جاؤ اور خدا کے حصہ میں بیٹیاں لگا دو!

دیکھیے! یہاں مشرکین کا ظالمانہ اور جائرانہ دعویٰ بالکل انوکھا تھا؛ لہٰذا ایسے معنی کی تعبیر کے لئے لفظ کا انتخاب بھی انوکھا رکھا گیا جو نہایت قلیل الاستعمال ہے۔

۹- اسمِ ظاہر کو اسمِ ضمیر پر ترجیح دینا، جیسے: ﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ، فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [یوسف: ۹۰]۔

دیکھیے! اللہ پاک نے تقوی اور صبر اختیار کرنے والوں کے لیے جب اجر کا اثبات فرمایا تب فواصل نونیہ: الْمُتَصَدِّقِيْنَ۝۸۸ جَاهِلُوْنَ۝۸۹ الْمُحْسِنِيْنَ۝۹۰ لَخٰطِئِيْنَ۝۹۱ کی رعایت کرتے ہوئے "لا يُضِيْعُ اَجْرَهُمْ" کہنے کے بجائے ﴿لا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۝۹۰﴾ فرمایا؛ نیز الْمُحْسِنِيْنَ فرما کر ان کے لیے تقوی وصبر سے زائد صفت احسان کو واضح کر دیا۔ (فواصل الآیات لخضر: ۱۲۰)

فواصلِ قرآنیہ کے حروف

۱- بعض سورتوں کے فواصل کی بنیاد ایک حرف پر ہے، جیسے سورۂ اخلاص کے فواصل حرفِ دال پر ہیں۔

۲- بعض سورتوں کے فواصل کی بنیاد دو حرف پر ہے، جیسے: سورۂ جمعہ کے فواصل کی بنیاد حرفِ نون اور میم پر ہے۔

۳- بعض سورتوں کے فواصل کی بنیاد تین حروف پر ہے، جیسے: سورۂ صف کے فواصل کی بنیاد صاد، میم اور نون پر ہے۔

۴- بعض سورتوں کے فواصل کی بنیاد چار حروف پر ہے، جیسے: سورۂ یوسف کی بنیاد نون، میم، راء اور لام پر ہے۔

۵- بعض سورتوں کے فواصل کی بنیاد پانچ حروف پر ہے، جیسے سورۂ انعام کے فواصل کی بنیاد میم، نون، لام، راء اور ظاء پر ہے۔

ملحوظہ: قرآنِ مجید کے فواصل کی بنیادیں اکثر وبیشتر چار حروف پر رہتی ہیں: نون، راء، لام اور میم۔

فنِّ مناسبت

مناسبت: آیات اور سورتوں کے آپس میں مربوط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: ایک آیت کے دو جملے یا دو آیتوں یا دو سورتوں کے درمیان واقع معنوی (حسی یا عقلی وغیرہ) تعلق اور جوڑ کو معلوم کرنا، اسی طرح ان دو آیات کے درمیان واقع تعلق یا تلازم ذہنی (سبب ومسبب، علت ومعلول، نظیریں، ضدین وغیرہ) والے ربط وضبط کو معلوم کرنا۔

ملحوظہ: ترتیبِ آیات کے توقیفی ہونے پر علمائے امت کا اِجماع ہے اور حضور ﷺ کے آخری رمضان کے دوز بانی دور اسی معروف ترتیب پر تھے؛ نیز بیشتر سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے (۱)؛ کیوں کہ صحابۂ کرام -رضوان اللہ علیہم اجمعین- کا مصحفِ عثمانی کی ترتیب پر اجماع ہو چکا تھا۔

---

(۱) معلوم ہونا چاہیے کہ: سورتوں میں مذکور آیات کی ترتیب کے توقیفی ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں، اس کے بابت نصوص بھی بہت زیادہ ہیں؛ لیکن ترتیبِ سور کے بابت اختلاف ہے کہ آیا ترتیبِ سور توقیفی ہے یا صحابۂ کرام کے اجتہاد سے یہ ترتیب طے پائی ہے؟

جمہور علماء کے نزدیک یہ ترتیب اجتہادی ہے؛ جب کہ علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ: لوحِ محفوظ میں سورتوں کی ترتیب اسی ترتیب پر ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ: عہدِ نبوی میں سورتوں اور آیات کی ترتیب یہی تھی، سوائے سورۂ انفال و براءت کے۔ ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ: بیشتر سورتوں کی ترتیب آپ ﷺ کے مبارک زمانہ میں معلوم ہو چکی تھی، جیسے: سبعِ طوال، حوامیم اور مفصل کی ترتیب، اور بقیہ سورتوں کی ترتیب آپ ﷺ کے بعد امت کے حوالے کر دی گئی۔

اسی وجہ سے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: بیشتر سورتوں کی ترتیب کا توقیفی ہونا ترتیبِ سور کے توقیفی ہونے سے مانع نہیں۔ (الاتقان، برہان)

فنِّ مناسبت پر علُما کا موقف

فن مناسبت پر علُما کا اختلاف ہے؛ کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ: احوال کے مقتضیات کے اعتبار سے نیز مختلف اسباب کے تعلق سے الگ الگ احکامات پر آگاہ کرتے ہوئے قرآنِ مجید کا نزول تیئیس سالہ دورِ رسالت میں پھیلا ہوا ہے؛ لہٰذا ہر دو آیتوں اور ہر دو سورتوں میں مناسبت کا پایا جانا ہر جگہ پر ضروری نہیں۔

جب کہ امام رازی وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ: قرآنِ مجید جس طرح الفاظ کی فصاحت اور معانی کی شرافت کے اعتبار سے معجز ہے اسی طرح ترتیبِ سور وترتیبِ آیات کے لحاظ سے بھی معجز ہے؛ لیکن اس فن کے دقیق وغامض اور معجز ہونے کی وجہ سے علُما نے اس کی طرف بہت کم توجہ فرمائی ہے۔

شیخ عزالدین فرماتے ہیں کہ: فن مناسبت بڑا عمدہ فن ہے؛ لیکن مفسر ہر آیت میں مناسبت کا متلاشی نہ رہے؛ کیوں کہ قرآن مجید کا نزول احوال وواقعات کے اعتبار سے قسط وار ہوا ہے؛ نیز بسا اوقات مفسر کو ارتباطِ آیات کا اِدراک ہوتا ہے تو کبھی ارتباط کا ادراک نہیں ہو پاتا؛ لہٰذا مناسبت بیان کرنے میں تکلف سے کام نہ لیا جائے۔

مناسبات پر معتدل منہج

۱-اگر دو آیات کے کلمات باہم مربوط ہوں اس طور پر کہ: دوسری آیت پہلی کی تاکید، تفسیر، بیان یا بدل وغیرہ ہو رہی ہے تو ایسی جگہ ربطِ آیات کے بالکل ظاہر

ہونے کی وجہ سے مناسبت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

٢-ایک آیت کے چند جملے یا چند آیات میں واقع چند جملے بظاہر مستقل معلوم ہوتے ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

اگر دوسرے جملے کا پہلے سے وصل (عطف بالواو) کیا گیا ہو تو وہاں دونوں جملوں کے درمیان جہتِ جامعہ اور مناسبتِ تامّہ کا پایا جانا ضروری ہے، **جیسے:** ﴿وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ﴾ میں قبض وبسط کے درمیان تقابلِ تضاد ہے۔

ملاحظہ: مناسبتِ تامّہ کہتے ہیں دو جملوں کے مسند یا مسند الیہ میں اتحاد ہو یا تماثل، تقابل، تضایف کا تعلق ہو[١]۔

اگر دوسرا جملہ پہلے پر معطوف نہ ہو تو وہاں کسی ایسے سہارے (معنوی قرینہ) کا ہونا ضروری ہے جو دو جملوں کو باہمی مربوط کرتا ہو، یہ معنوی قرائن مندرجۂ ذیل ہیں:

تنظیر: ایک چیز کا دوسری چیز سے موازنہ کرنا، نظیر بیان کرنا، **جیسے:** ﴿يَسْأَلُوْنَكَ

---

[١] مناسبتِ تامہ مسند اور مسند الیہ کے اعتبار سے ہوتی ہے، اس کی چار صورتیں ہیں: اِتحاد، تماثُل، تقابُل، تضایُف۔

اتحاد: معطوف، معطوف علیہ کا مسند ایک ہو، یا معطوف، معطوف علیہ کے مسند الیہ ایک ہو، جیسے: زَيْدٌ يُعْطِيْ وَيَمْنَعُ؛ زَيْدٌ كَاتِبٌ وَعَمْرٌو.

تماثل: دونوں جملوں (معطوف، معطوف علیہ) کے مسند یا مسند الیہ کسی وصف میں شریک ہوں، جیسے: زَيْدٌ كَاتِبٌ وَعَمْرٌو شَاعِرٌ (مَعَ أَنَّهُمَا أَخَوانِ أَوْ صَدِيقَانِ)، زید مضمون نگار ہے اور عمرو شاعر ہے؛ جو دونوں بھائی یا دوست ہیں۔

تقابل: دونوں ایک دوسرے کی ضد ہو، جیسے: زَيْدٌ يُعْطِيْ، وَيَمْنَعُ، زید دیتا اور روکتا ہے۔

تضایف: دونوں کے درمیان ایسا تعلق ہو کہ ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہو، جیسے: أَبُوْ زَيْدٍ كَاتِبٌ، وَابْنُهُ شَاعِرٌ، زید کا باپ مضمون نگار ہے اور اس کا بیٹا شاعر ہے۔

عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ میں تقسیمِ غنائم کے ناپسندیدہ ہونے کی نظیر باری تعالیٰ نے ﴿كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ، وَاِنَّ فَرِيْقًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ﴾(۱) [الأنفال:۱-۵] سے بیان فرمائی ہے۔

مُضَادّہ: مخالف اور ضد کو یا اس کے اَحوال کو بیان کرنا، جیسے جنت کے بعد جہنم کا ذکر کرنا، اسی طرح مؤمنین کی صفات ذکر کرنے کے بعد کافرین یا منافقین وغیرہ کی صفات بیان کرنا۔

اِستطراد: ایک مضمون بیان کرتے ہوئے اس کے متعلق کوئی مفید بات بیان کرکے پھر دوبارہ اگلے مضمون کی طرف رجوع کرنا، جیسے سورۂ لقمان میں باری تعالیٰ حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو فرمائی ہوئی وصیتوں کا ذکر ﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ -وَهُوَ يَعِظُهٗ- يٰبُنَيَّ..؛ -وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ..؛- يٰبُنَيَّ اِنَّهَا..﴾ [لقمان:۱۳-۱۶]، فرمانے کے دوران ﴿-وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ...؛ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ....؛-﴾ سے باری تعالیٰ کی بندوں کو وصیت ذکر فرمائی، پھر دوبارہ ﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَا...﴾ سے ''وصایا لقمان'' کے مضمون کی طرف رجوع فرمایا ہے۔

خلاصۂ کلام: تدبر کے نتیجے میں اگر دو آیات وسور کے درمیان مناسبت سمجھ میں آجائے جو سیاقِ کلام اور اصولِ عربیت سے اتفاق رکھتی ہو تو یہ تفسیرِ اِشاری کے قبیل سے ہوگی، اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کریں؛ لیکن فنِّ مناسبت کو علمِ تفسیر کا جزوِ لازم نہ سمجھنا چاہیے۔ إنْ كانَ حَقًا فمِنَ اللهِ، وإلَّا فمِنِّي ومِن الشَّيْطان.

---

(۱) اس آیت کی مختصر وضاحت ''اختلاف مفسرین'' کے ضمن میں ص: ۸۲ پر آگئی ہے۔

خاتمہ

مفسرین کے لیے ضروری شرائط

مفسِّر: قرآنِ کریم کے علوم، اَسرار و حِکَم اور اَحکام و مطالب جاننے اور بیان کرنے کا ماہر۔

مفسر کے لیے مندرجۂ ذیل شرائط ضروری ہیں:

۱- عقائد و نظریات صحیح ہوں، خواہشاتِ نفسانیہ سے پرہیز کرتا ہو، بدعات اور فسق و فجور سے دور رہتا ہو۔

۲- لغتِ عرب، نحو و صرف، علمِ معانی، علمِ بیان اور علمِ بدیع کو جانتا ہو۔

۳- علم التوحید، علم الفقہ، علم القراءات اور ان احادیث کو جانتا ہو جن میں قرآن مجید کے مجمل و مبہم اَلفاظ کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

۴- اُصولِ تفسیر کو جانتا ہو، بالخصوص شانِ نزول، تعریضات سے متعلق قصوں اور ناسخ و منسوخ وغیرہ کو جانتا ہو۔

۵- محض عقل و رائے مذموم سے تفسیر نہ کرے؛ بلکہ اِجمال و اِختصار کے مواقع میں اوّلاً قرآنِ مجید سے تفسیر اور مطلب بیان کرے، اگر وہاں سے تفسیر نہ ملے تو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرے، پھر اَقوالِ صحابہ پھر اَقوالِ تابعین کی طرف رجوع کرے؛ خلاصۂ کلام یہ کہ: تفسیر کرتے وقت صحابہ و تابعین کے مسلک و مشرب سے ذرہ برابر نہ ہٹے۔

آدابِ مفسر

۱-مفسر کے آداب میں سے یہ ہے کہ وہ: نیک نیت، مقصد کو پاکیزہ رکھنے والا، خلیق، اسلامی آداب اور اخلاقِ حسنہ سے آراستہ وپیراستہ ہو؛ باوقار، بردبار، متواضع، حق گو ہو؛ راست گوئی کا اِلتزام کرنے والا اور اپنے بڑوں کو بڑا ماننے والا ہو۔

۲-قرآن کے معانی اور رُموز واَسرار میں غور وفکر کرنے والا ہو، تفسیر کی پوری تیاری کرنے والا ہو، پروردگار کے کلام کی طرف پورے طور پر متوجہ ہو اور دِل ودِماغ سے قرآن مجید کے معانی ومفاہیم کو سننے والا ہو۔

۳-اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اِعزاز واِکرام کرنے والا ہو، اللہ عزَّ وجل کی قدرت کا اِستحضار رکھنے والا ہو اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا پورے طور پر محتاج سمجھنے والا ہو۔

۴-اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے والا ہو، اُسی کو مسکنت اور فروتنی کے ساتھ پکارے اور اِس بات کا منتظر رہے کہ ربِّ فتاح وعلیم اس پر علم کے دروازے کو ''وا'' کردے۔

مفسر کا نہج

۱-تعریض کے مواقع میں شانِ نزول کو بیان کرے، پھر اَلفاظِ مفردہ کی لغوی صرفی تحقیق بیان کرے، پھر اُس ترکیبِ نحوی کو ذکر کرے جس پر معنیٔ مرادی کی وضاحت موقوف ہو[1]۔

---

[1] قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے جن اسبابِ نزول کا جاننا ایک مفسر پر ضروری ہوتا ہے اُن تمام اسبابِ نزول کو، نیز جن غریب الفاظ کا جاننا مفسر پر ضروری اُنہیں بھی بہت مختصر اور ضروری مواد کے ←

۲-اِس کے بعد علمِ معانی، بیان اور بدیع سے متعلق وجوہِ بلاغت ذکر کرے؛ اس کے بعد اَحکام اور اِستنباطِ اَحکام کو ذکر کرے۔

ملحوظہ: نظمِ کلام اور سیاقِ کلام کے تقاضے کے مطابق ہی ربطِ آیات اور مناسبات کو ذکر کرے۔

۳-غیر معتبر اسبابِ نزول، فضائلِ قرآن سے متعلق غیر معتبر اَحادیث بیان کرنے سے اِحتراز کرے، نیز موضوع قصے کہانیاں اور اِسرائیلی خبروں سے مکمل اِجتناب کرے؛ کیوں کہ یہ چیزیں قرآن مجید کے حسن و جمال کو ختم کر دیتی ہیں اور تدبرِ قرآن سے مفسر کو دور کر دیتی ہیں۔

۴-اصولِ فقہ کی علتوں اور مسائلِ فقہیہ کے دلائل بیان کرنے میں غیر مفید تطویل سے دور رہے۔

۵-صرف اُن اُصول کو ذکر کرے جو فنِ تفسیر میں مسلمات کے قبیل سے ہیں[۱]۔

ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ''فتح الخبیر'' نامی مختصر رسالہ میں تحریر فرما دیا ہے؛ ان دونوں موضوعات پر اس رسالہ کو پڑھ لینا بے حد مفید ثابت ہوگا۔

[۱] ان اصول کی وضاحت کے لیے خالد بن عثمان السبت کی ''قواعد التفسیر'' یا ادارۃ الصدیق سے چھپی ہوئی ''روح القدیر'' دیکھ سکتے ہیں۔

اصولِ تفسیر

- باب اول در مقدماتِ تفسیر
  - مقدمۂ علم
    - تعریف، موضوع غرض وغایت
  - مقدماتِ علم وفن
    - فصلِ اول در اقسامِ تفسیر
      - تفسیر بالروایہ
      - تفسیر بالدرایہ
      - تفسیر بالاشارہ
    - فصلِ دوم در مناہجِ تفسیر
      - منہجِ رسول ﷺ (۱)
      - مناہجِ صحابہ (۲)
      - مناہجِ تابعین (۳)
    - فصلِ سوم در مآخذِ تفسیر
      - مآخذِ معتبرہ (۴)
      - مآخذِ غیر معتبرہ (۵)
- باب دوم در اختلافِ مفسرین
  - فصلِ اول در اسبابِ اختلاف (۶)
  - فصلِ دوم در مواضعِ اختلاف
    - بحثِ اول در اسبابِ نزول
      - سببِ عام (۷)
      - سببِ خاص (۸)
      - نزلت فی کذا (۹)
    - بحثِ دوم در تعیینِ نسخ
      - نسخ عند المتقدمین (۱۰)
      - نسخ کی اقسامِ اربعہ (۱۱)
      - نسخ کی صورِ ثلاثہ (۱۲)
    - بحثِ سوم در شرحِ غریب
      - شرحِ غریب میں سلف کے طرقِ تفسیر (۱۳)
      - اختلافِ تنوع کی صورِ اربعہ (۱۴)
      - خاتمہ در وجوہ ونظائر وافراد
  - فصلِ سوم در عملِ تطبیق
    - بحثِ اول چند آیات میں تعارض (۱۵)
    - بحثِ دوم
      - فنِ توجیہ
      - انواعِ توجیہ
- بابِ سوم در اسبابِ صعوبت
  - فصلِ اول صعوبات متعلق بہ عبارت
    - انتشارِ ضمائر
    - تقدیم وتاخیر
    - ابدال (۱۹)
    - اطناب (۱۷) (۱۸)
    - ایجاز (۱۶)
    - استعمالِ لفظ غریب
  - فصلِ دوم صعوبات متعلق بہ معانی
    - معنی خفی ہو
      - خفاء صیغہ میں ہو
        - تأمل سے دور ہو جائے "مشکل"
        - تأمل سے دور نہ ہو
          - بیان کی امید ہو "مجمل"
          - امید نہ ہو "متشابہ"
            - حقیقی
            - نسبی
              - مجاز
                - لفظ میں مجاز ہو "مجازِ لغوی"
                  - مفرد میں ہو
                    - تشبیہ کا علاقہ ہو "استعارہ"
                    - غیر تشبیہ کا علاقہ ہو "مجازِ مرسل"
                  - مرکب میں ہو
                    - تشبیہ کا علاقہ ہو "استعارۂ تمثیلیہ"
                    - غیر تشبیہ کا علاقہ ہو "مجازِ مرکب مرسل"
                - اسناد میں مجاز ہو "مجازِ عقلی"
              - کنایہ
              - تعریض
      - خفاء صیغہ کے علاوہ میں ہو "خفی"
    - معنی ظاہر ہو
      - تاویل کا محتمل ہو
        - لفظ اس معنی کے لیے لایا ہوا ہو "نص"
        - لایا نہ گیا ہو "ظاہر"
      - تاویل کا محتمل نہ ہو
        - نسخ کا محتمل ہو "مفسر"
        - نسخ کا محتمل نہ ہو "محکم"
  - فصلِ سوم صعوبات متعلق بہ اصطلاح
    - سببِ نزول
    - نسخ
- بابِ چہارم در فواصلِ قرآن
  - فصلِ اول در اقسامِ فواصل
    - متماثلہ
    - متقاربہ
    - متوازنہ
    - متوازیہ
    - مطرفہ
  - فصلِ دوم در مقتضیاتِ فواصل
  - فصلِ سوم در انواعِ فواصل
    - احلال (۲۰)
    - ایثار (۲۱)

(۱): ① لفظِ مجمل کی وضاحت ② لفظِ مشکل کی وضاحت ③ عام کی تخصیص ④ مطلق کی تقیید ⑤ معنی بیان کرنا ⑥ آیت کی تشریح کرنا۔

(۲): ① تفسیر القرآن بالقرآن ② بالسنۃ النبوّیہ ③ باللغۃ العربیہ ④ بالجتہادوالاستنباط۔

(۳): ① تفسیر القرآن بالقرآن ② بالسنۃ النبوّیہ ③ باقوال الصحابہ ④ باللغۃ العربیہ ⑤ بالجتہادو الاستنباط ⑥ مرویاتِ اہلِ کتاب۔

(۴): ① تفسیر القرآن بالقرآن ② بالسنۃ النبوّیہ ③ باقوال الصحابہ ④ باقوال التابعین ⑤ باللغۃ العربیہ ⑥ بالاشارہ۔

(۵): ① اسرائیلیات ② تفسیر بالرائی المذموم ③ علم فلسفہ۔

(۶): ① اشتراکِ لفظ درمعانئ متضادہ ② اشتراکِ لفظ درمعانئ غیر متضادہ ③ مرجعِ ضمیر ④ تعیینِ مقدّر ⑤ صیغے میں دو اصلوں کا احتمال ⑥ استعمالِ عرفی کا تنوع ⑦ محکم ومنسوخ کا احتمال ⑧ عموم وخصوص کا احتمال ⑨ چند موصوفات کی محتمل صفت کا ذکر ⑩ اختلافِ قراءات۔

(۷): ① آیاتِ جدل ② آیاتِ احکام ③ آیاتِ تذکیر بآلاء اللہ ④ آیاتِ تذکیر بآیات اللہ ⑤ آیاتِ تذکیر بالموت ومابعدہ۔

(۸): ① کسی واقعہ کے بعد نزول ہوا ہو ② کسی سوال کے جواب میں نزول ہوا ہو ③ تعریضات واشارات پر مشتمل آیت ہو۔

(۹): ① استنباطِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ② استنباطِ صحابہ ③ استشہادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ④ استشہادِ صحابہ ⑤ تمثیلِ صحابہ۔

(۱۰): ① مدتِ عمل کی انتہاء بیان کرنا ② کلام کو معنیٔ متبادر سے غیر متبادر کی طرف پھیرنا ③ قید کا اتفاقی ہونا بیان کرنا ④ عام میں تخصیص پیدا کرنا ⑤ شرائع سابقہ کو اٹھانا ⑥ حکمِ منصوص اور حکمِ استنباطی میں فرق بیان کرنا۔

(۱۱): ① نسخ القرآن بالقرآن ② نسخ القرآن بالسنۃ النبویہ ③ نسخ السنۃ بالسنۃ ④ نسخ السنۃ بالقرآن۔

(۱۲): ① منسوخ التلاوۃ والحکم ② منسوخ التلاوۃ دون الحکم ③ منسوخ الحکم دون التلاوۃ۔

(۱۳): ① معنیٔ مطابقی سے تفسیر کرنا ② معنیٔ تضمنی سے تفسیر کرنا ③ معنیٔ التزامی سے تفسیر کرنا ④ مثال دے کر تفسیر کرنا ⑤ قیاس سے تفسیر کرنا ⑥ اشارہ سے تفسیر کرنا۔

(۱۴): ① معنیٔ مرادی کو الفاظِ متقاربہ سے بیان کرنا ② لفظِ عام کی تفسیر نوع سے بیان کرنا ③ مشترک لفظ کے الگ الگ معانی بیان کرنا ④ تعبیر میں اختلاف ہو۔

(۱۵): ① نسخ پر محمول کرنا ② مختلف اشخاص پر محمول کرنا ③ مختلف جگہوں پر محمول کرنا ④ مختلف اوقات پر محمول کرنا ⑤ مختلف احوال پر محمول کرنا ⑥ مختلف اعتبارات و جہات پر محمول کرنا ⑦ مختلف معانی پر محمول کرنا ⑧ مختلف مرادوں پر محمول کرنا ⑨ مختلف شرائط پر محمول کرنا ⑩ مختلف اسالیب پر محمول کرنا۔

(۱۶): ① ایجازِ قصر ② ایجازِ حذف ③ ایجازِ تقدیر ④ ایجازِ جامع۔

(۱۷): ① بسط ② بالزیادۃ۔

(۱۸): ① بالتاکید ② بحرفِ قسم ③ بحرفِ زائد ④ بالصفۃ ⑤ بالبدل ⑥ بعطف البیان۔

(۱۹): ① ابدال اسم باسم ② ابدالِ فعل بفعل ③ ابدالِ حرف بحرف ④ ابدالِ جملہ بجملہ۔

(۲۰): ① ایک یا زیادہ کلمہ بڑھانا ② کسی کلمہ کو حذف کرنا ③ تقدیم ماحقہ التاخیر ④ جمع کی جگہ مفرد لانا ⑤ مفرد کی جگہ جمع لانا ⑥ مذکر کی جگہ مؤنث لانا ⑦ غیر منصرف کو منصرف بنا دینا ⑧ ماضی سے مضارع کی طرف عدول کرنا ⑨ ایقاع کی غرض سے کسی صیغے کی بناوٹ میں تبدیل کرنا۔

(۲۱): ① اسمِ مفعول کی جگہ اسمِ فاعل رکھنا ② اسمِ فاعل کی جگہ اسمِ مفعول رکھنا ③ تثنیہ کی جگہ مفرد رکھنا ④ جمع کی جگہ مفرد ذکر کرنا ⑤ مفرد کی جگہ تثنیہ کو رکھنا ⑥ تثنیہ کی جگہ جمع لانا ⑦ غیر عاقل کی جگہ عاقل ذکر کرنا ⑧ مذکر کی جگہ مؤنث ذکر کرنا ⑨ مؤنث کی جگہ مذکر ذکر کرنا۔

ادارۃ الصدّیق، ڈابھیل گجرات

P.O.DABHEL, DIST. NAVSARI,
GUJARAT, INDIA (396415)
CELL: +91 9913319190 / 9904886188
Email:idaratussiddiq@gmail.com